سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۳۸

حکایات رومیؒ

دوسرا حصّہ

(ماخوذ از دفتر چہارم تا ششم مثنوی شریف)

ترجمہ از

مرزا نظام شاہ صاحب لبیب

بہ نظر ثانی

مولوی سیّد ہاشمی صاحب (فرید آبادی)

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

سنہ ۱۹۴۰ء

خانصاحب عبداللطیف نے "لطیفی پریس" دہلی میں چھاپا

اور

مینجر انجمنِ ترقیِ اُردو (ہند) نے دہلی سے شایع کیا

فہرست مضامین حکایات رومیؒ حصّہ دوم

دفتر چہارم مثنوی شریف

دفتر پنجم مثنوی شریف

۱- ایک واعظ کا بُروں کے لیے دُعا کرنا

ایک واعظ جب وعظ کے لیے چوکی پر بیٹھتا تو گمراہوں کے لیے دعا کیا کرتا تھا۔ وہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرتا تھا کہ یا اللہ ظالموں اور بدکاروں پر رحمت نازل فرما۔ مسخراپن کرنے والوں، بدفطرتوں، سب سیاہ دلوں اور بت پرستوں تک، غرض سوائے پلیدوں کے اور کسی کے لیے دعا نہ کرتا تھا اور پاک بندوں کا دعا میں ذکر ہی نہ لاتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ کیا دستور ہے۔ گمراہوں کو دعا دینا کوئی بخشش و کرم نہیں۔ واعظ نے کہا مجھے ان سے بہت فائدہ ہوا اور اس لیے ان کی دعا اپنے اوپر لازم کرلی۔ انھوں نے اس قدر پلیدی پھیلائی اور ظلم زیادتی کی کہ میرا نفس پریشان ہوگیا۔ برائیاں ترک کرکے بھلائی اختیار کرلی۔ میں جب کبھی دنیا کی طرف رُخ کرتا تھا تو ان ہی مفسدوں اور ظالموں سے زخم اور چوٹیں کھاتا تھا حتیٰ کہ دنیا کی ہوس کم ہوگئی اور میں راہِ راست پر آگیا۔ اے عزیز! انصاف سے دیکھیے تو ایسا ہر دشمن تیرے حق میں دوا ہے کہ تو اس سے بھاگ کر تنہائی اختیار کرتا ہے اور خدا کے فضل و کرم کا طالب ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے وہ دوست درحقیقت تیرے دشمن ہیں جو تجھ کو حضورِ الٰہی سے دور کرکے اپنی محبت اور ملاقات میں مشغول کرلیتے ہیں +

۲- ایک چمڑا رنگنے والے کا عطّاروں کے بازار میں بے ہوش ہونا

ایک چمڑا رنگنے والا اتفاق سے عطاروں کے بازار میں پہنچا تو یکایک گر کر بے ہوش ہو گیا اور ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو گئے۔ عطروں کی خوشبو جو اس کے دماغ میں گھسی تو چکرا کر گر پڑا۔ اُسی وقت لوگ جمع ہو گئے۔ کسی نے اُس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ اور کسی نے عرقِ گلاب لا کر چھڑکا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اسی خوشبو نے یہ آفت ڈھائی ہے کوئی سر اور ہتھیلیوں کو سہلاتا اور سوندھی مٹی بھگو کر سنگھاتا۔ ایک لوبان کی دھونی دیتا تو دوسرا اُس کے کپڑے اُتار کر ہوا دیتا تھا۔ آخر جب کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آیا تو دوڑ کر اُس کے بھائی بندوں کو خبر کی کہ تمھاری قوم کا آدمی فلاں بازار میں بے ہوش پڑا ہے، کچھ نہیں معلوم کہ یہ مرگی کا دورہ اس پر کیوں کر پڑ گیا یا کیا بات ہوئی کہ وہ سرِ بازار چلتے چلتے اس طرح گر پڑا۔ اس چمڑا رنگنے والے کا ایک بھائی بڑا فطرتی اور ہوشیار تھا۔ یہ قصہ سنتے ہی دوڑا آیا۔ تھوڑا سا کتّے کا گُو آستین میں چھپائے بھیڑ کو چیر کر روتا پیٹتا اس تک پہنچا۔ لوگوں سے کہا ذرا ٹھہرو مجھے معلوم ہے کہ یہ بیماری کیونکر پیدا ہوئی اور سبب معلوم ہو جانے پر بیماری کا دُور کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اصل میں وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے دماغ کی ایک ایک رگ میں بدبو تہ بر تہ بسی ہوئی ہے۔ وہ مزدوری کی خاطر صبح سے شام تک گندگیوں اور بدبوؤں میں چمڑے رنگتا رہتا ہے۔ چونکہ سالہا سال سے گندگی میں بسر کرتا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ عطر کی خوشبو ہی نے اس کو بے ہوش کر دیا ہو۔ غرض اس جوان نے سب کو ہٹا دیا تاکہ اس کے علاج کو کوئی دیکھنے نہ پائے جیسے کوئی بھیدی کھس پھس کرتا ہے اس طرح منہ اس کے کان کے پاس لے گیا اور کتّے کی غلاظت اس کی ناک پر رکھ دی۔ جوں ہی یہ بدبو بے ہوش کے دماغ میں پہنچی اس کا

سڑا ہوا دماغ بدبو سے ازسرِنو تازہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ مُردے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ہوشیار ہوگیا؛

دوستو! جس کو مُشکِ نصیحت سے فائدہ نہ ہو سمجھ لو کہ وہ گناہوں کی بو سونگھنے کا عادی ہوگیا ہے۔

۴۔ ایک یہودی کا علیؓ سے مکابرہ اور اُن کا جواب

ایک دن ایک مدعی نے جو خدا کی عظمت سے آگاہ نہ تھا حضرتِ مرتضیٰؓ سے کہا کہ تم محل کے کوٹھے پر ہو اور خدا حفاظت کا ذمہ دار ہے اس سے بھی واقف ہو۔ علیؓ نے فرمایا کیوں نہیں۔ وہ ہماری ہست و بود کا بچپن سے جوانی تک حفیظ و مربّی رہا ہے۔ اس نے کہا اگر ایسا ہے تو اپنے کو کوٹھے سے گرا کر حفاظتِ حق پر اعتماد کرو، تاکہ مجھے تمہارے یقین کا اطمینان ہو اور تمہارے خدا پر بھی اعتقاد پیدا ہو جائے؛ حضرتِ امیرؓ نے اس سے کہا کہ چل چپ رہ کہیں تیری جان اس جرأت کا شکار نہ ہو جائے بھلا بندے کی کیا مجال کہ اپنی بدبختی سے خدا کی آزمائش کرے۔ ارے احمق یہ تو خدا ہی کا منصب ہے کہ وہ ہر سانس پر اپنے بندوں کی آزمائش کرے تاکہ ہمارا حال ہم پر ظاہر ہو جائے کہ ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں اُس کے عقیدے پر کس قدر مضبوط ہیں جس نے آسمان کی چھت کھڑی کر دی اس کا امتحان کرنا تو کیا جانے۔ تُو پہلے اپنا امتحان کر اس کے بعد دوسرے کا۔ یاد رکھ جہاں تیرے دل میں خدا کے امتحان کی آرزو پیدا ہوئی کہ تیرے دین کی مسجد جھاڑ جھنکاڑ سے بھر گئی۔

۴۔ حضرت عثمانؓ کا منبر پر چُپ چاپ بیٹھنا

قصہ عثمانؓ سنو کہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو منبر رسولؐ پر جا بیٹھے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تین پایوں کا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ دوسرے پائے پر بیٹھتے تھے حضرتِ عمرؓ جو اعزازِ اسلام اور حفاظتِ دین کے لیے خلیفہ ہوئے تو آپ نے تیسرے پائے پر بیٹھنا اختیار کیا۔ جب حضرتِ عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ تخت کے بالائی حصّے پر بیٹھے! ایک مہمل شخص نے سوال کیا کہ وہ دو تو رسول اللہ کی جگہ نہ بیٹھے آپ نے یہ شانِ برتری کیسے اختیار کی۔ حضرتِ عثمانؓ نے جواب دیا کہ اگر تیسرا پایہ اختیار کروں تو عمرؓ کے مانند ہونے کا وہم ہوتا ہے اور اگر دوسرے پائے پر بیٹھنا معمول کروں تو لوگ کہیں گے کہ یہ ابوبکرؓ کی برابری کرتا ہے۔ مگر یہ بلند مقام حضرت مصطفٰےؐ کی نشست گاہ ہے اور حضرتؐ کی برابری کا کسی کو وہم بھی نہیں آسکتا۔ اِس کے بعد وہ خدا کے پیارے خطبہ دینے کے بجائے عصر کے قریب تک خاموش بیٹھے رہے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ سے خطبہ دینے کی درخواست کرے یا مسجد سے باہر چلا جائے۔ خاص و عام پر ایک ہیبت طاری تھی اور صحن سے چھت تک خدا کا نور پھیلا ہوا تھا۔ جو بینا تھا وہ اِس نور کے جلوے میں مگن تھا اور جو اندھا تھا وہ بھی اس دھوپ سے گرم ضرور ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ اندھا بھی اپنے میں گرمی محسوس کر کے سمجھ رہا تھا کہ آفتاب نکل آیا ہے۔

۵۔ ایک مٹی کھاؤ کا ترازو کے پاسنگ کا ڈھیلا کھا جانا

ایک شخص جسے مٹی (ڈھیلوں) کے کھانے کی عادت پڑ گئی تھی، ایک دفعہ پنساری کی دُکان پر گیا۔ تاکہ مصری اور عمدہ قند خریدے۔ پنساری اس کی عادت سے واقف اور بڑا چالاک

اور منافق تھا اور اُس کی ترازو کا بٹ بھی پتھر کی بجائے ڈھیلے کا تھا کہنے لگا کہ میری مصری بہت صاف شفّاف اور اعلیٰ درجے کی ہے اور شکر بھی موجود ہے مگر میری ترازو کا بٹ یہ ڈھیلا ہے۔ خریدار نے کہا کہ مجھے تو عمدہ قند کی ضرورت ہے۔ ترازو کا بٹ چاہے کیسا ہی ہو مجھے اس سے کیا کام۔ مگر سوندھی پنڈول کا ڈلا دیکھ کر جی للچانے لگا۔ اِدھر پنساری جمے ہوئے قند کو توڑنے کے بہانے اندر کی طرف چلا گیا وہ پیٹھ پھیرے اپنا کام کر رہا تھا کہ بیہودہ مٹی کھاؤ ڈھیلے میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چرانے لگا جھجکتا بھی جاتا تھا کہ کہیں دُکان دار میری حرکت کو نہ دیکھ لے لیکن پنساری کن انکھیوں سے دیکھ کر اپنے کام میں مشغول رہا اور اپنے جی میں کہا کہ واہ رے بے وقوف تو نے سب چوروں کو مات کر دیا اگر تو نے چُرایا اور میرے ڈھیلے کا وزن کم کیا تو میرا کیا گیا تو نے اپنا ہی نقصان کیا۔ تو اپنے گدھے پن کی بنا پر مجھ سے ڈرتا ہے اور میں یہ ڈر رہا ہوں کہ کہیں تو کم نہ کھائے۔ اگرچہ میں اپنے کام میں مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تجھے شکر زیادہ لے جانے دوں۔ جب تو شکر کے وزن کو جانچے گا تو معلوم ہوگا کہ اس واقعے میں احمق کون تھا اور عقلمند کون؟

۶۔ حضرت ابراہیم ادھم کے تخت و تاج کو ترک کرنے کا سبب

ایک رات وہ بادشاہ اپنی خواب گاہ میں سو رہے تھے اور نگہبان چاروں طرف پہرہ دے رہے تھے۔ یکایک انھوں نے کوٹھے کے تختوں پر چلنے کی چاپ اور ہائے ہو کی آواز سُنی۔ اُن کی آنکھ کھل گئی اور سوچنے لگے کہ شاہی محل میں اس طرح رات کے

وقت چلنے کی مجال کیسے ہے۔ ایک کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے۔ آدمی ہے یا پری۔ ایک عجیب وغریب جماعت دیکھی جس نے عاجزانہ سر جھکا کر کہا کہ ہم شروع رات سے تلاش میں پھر رہے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم اپنا اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا بھلا اونٹ کوٹھے پر کیسے چڑھے گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب اونٹ کوٹھے پر نہیں چڑھ سکتا تو تو تختِ شاہی پر بیٹھ کر خدا کی تلاش کیسے کرتا ہے؟

۷۔ پیاسے کا پانی میں اخروٹ پھینکنا

ایک گڑھے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ کوئی پیاسا وہاں پہنچا اور درخت پر چڑھ کر اخروٹ توڑ توڑ کر پھینکنے لگا۔ جب درخت کی بلندی سے پانی میں اخروٹ گرتا تھا تو گرنے کی آواز آتی تھی اور بلبلے بھی اُبھر آتے تھے۔ ایک عاقل نے کہا کہ اے جوان یہ کیا کرتا ہے۔ سارے اخروٹ بھی پانی میں پھینک دے گا تو بھی پانی کی گہرائی اور تجھ سے دوری کم نہ ہوگی۔ جس قدر اخروٹ پانی میں گر رہے ہیں اُسی قدر پانی کو چوس کر اور کم کر رہے ہیں۔ تجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ میرا مطلب اخروٹ پھینکنا نہیں ہے۔ ذرا غور سے دیکھ اور اُس کے ظاہر پر مت جا، میرا مطلب صرف یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے اور پانی کی سطح پر بُلبلے اٹھتے ہوئے دیکھتا رہوں۔ دنیا میں پیاسے کا مشغلہ اس سے بہتر کیا ہوگا کہ ہمیشہ حوض کے اطراف چکر کاٹتا رہے۔ جیسے حاجی طواف کعبہ کو اچھا جانتا ہے اسی طرح پیاسا پانی کے گرد پھرنے اور پانی کی آواز سنتے رہنے کو پسند کرتا ہے۔

۸۔ بادشاہ کا ایک شاعر کو انعام دینا اور وزیر کی دراندازی

ایک شاعر بادشاہ کے حضور میں اشعار مدحیہ لکھ کر لایا۔ بادشاہ بڑا فیاض تھا۔ حکم دیا کہ ہزار اشرفیاں مع لوازم انعام دی جائیں۔ وزیر نے کہا کہ اے شہنشاہ یہ بھی کم ہے۔ دس ہزار اشرفی انعام دیجیے تاکہ بالکل مطمئن ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے دس ہزار اشرفیاں بھی دیں اور شاعر کے لائق خلعت بھی دیا۔ شاعر کا دماغ بادشاہ کے شکر اور دعا سے گونج اٹھا۔ شاعر نے پتہ لگایا کہ کس کی کوشش سے اس قدر انعام مل گیا اور میری اہلیت و قابلیت بادشاہ پر کس نے ظاہر کی۔ اہل دربار نے کہا وہ وزیر جس کا نام حسن ہی بہت خوش اخلاق اور کشادہ دل ہے اس کی کوشش سے یہ ہوا۔ شاعر نے اس کی مدح میں بھی ایک لمبا قصیدہ لکھا۔ چند سال کے بعد وہی شاعر کھانے کپڑے سے تنگدست ہو گیا سوچا کہ جس بارگاہ کی بخشش و سخاوت کو آزما چکا ہوں بہتر ہے کہ اپنی ضرورت پھر وہیں پیش کروں۔ یہ سوچ کر دل میں انعام و اکرام کا سودا پکاتا ہوا اسی محسن بادشاہ کے حضور میں پہنچا۔ شاعر کی سوغات تو اشعار ہوتے ہیں۔ ان ہی کو محسن کے حضور پیش کرتا اور ان ہی کو رہن کرتا ہے۔ اہلِ احسان کی سخاوت و بخشش نے شاعروں کو امیدوار کر دیا ہے۔ اُن کے نزدیک ایک ایک شعر جو کے سیکڑوں تھیلوں سے افضل ہے اور خاص کر وہ شاعر جو سمندر کی تہ سے موتی لاتا ہے اُس کے کلام کی تو قیمت ہی نہیں۔ الغرض بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق پھر ہزار اشرفی انعام دینے کا حکم دیا لیکن اس دفعہ وہ حاتم دل وزیر انتقال کر چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک دوسرا بہت بے رحم اور کنجوس مقرر ہوا تھا۔ وزیر نے عرض کی جہاں پناہ! سلطنت میں بہت سے ضروری اخراجات ملتوی پڑے ہیں۔

اتنا بڑا انعام ایک شاعر کو دینا مناسب نہیں۔ اگر حکم ہو تو میں اس انعام کے ایک چوتھائی پر شاعر کو راضی کر لوں۔ امرائے دربار نے کہا بھی کہ وہ اگلی دفعہ اس دل والے بادشاہ سے دس ہزار کا انعام لے چکا ہے، گنا چوسنے کے بعد نرسل کی پھنکنیاں کیونکر چبائے گا اور بادشاہی کے بعد گدائی کیسے کرے گا۔ وزیر نے کہا میں اس کو اس قدر تنگ کروں گا کہ انتظار کرتے کرتے رو دے گا۔ اس کے بعد اگر میں راستے کی مٹی بھی اٹھا کر دوں گا تو وہ پھول کی پتیاں سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ سلطان نے فرمایا کہ اچھا جو تیرے جی میں آئے وہ کر لیکن بہرحال اس کے دل کو خوش کر دے کہ ہمارا مدّاح اور دعا گو ہے۔ وزیر نے کہا وہ تو کیا اس جیسے دو سو فقیر بھی ہوں تو میرے حوالے کر کے آپ بے فکر ہو جائیں۔ القصہ وزیر نے انعام میں ڈھیل دے دی۔ یہاں تک کہ سارے جاڑے کا موسم گزر گیا اور موسم بہار آ گیا۔ شاعر جس قدر زیادہ اپنی ضرورت کے لیے بے قراری ظاہر کرتا تھا وزیر اُسی قدر وعدہ پورا کرنے میں حیلے حوالے نکالتا تھا۔ مایوس ہو کر وزیر سے عرض کی کہ چاہے بجائے انعام اور صلے کے آپ مجھے گالیاں ہی دیں تو میں جانوں کہ سب کچھ بھر پایا اور آپ کی دعاگوئی میں مصروف ہو جاؤں۔ اس انتظار نے تو میری جان نکال لی۔ کم از کم مجھے صاف جواب ہی دے دیجیے تاکہ میری جان اس لالچ کے پھندے سے آزاد ہو۔ وزیر نے اس انعام کا چوتھائی دے دیا اور شاعر اس فکر اور تردد میں پڑ گیا کہ یا تو اُس دفعہ کتنا بڑا انعام مل گیا تھا یا اِس دفعہ ایک کانٹوں بھری ڈالی اس قدر دیر سے ملی لوگوں نے کہا وہ فیاض وزیر جس کے زمانے میں گراں بہا انعام و خلعت ملا تھا وہ بے چارہ چل بسا خدا اس کو جزائے خیر دے۔ اب وہ نہیں رہا تو فیاضی بھی نہیں رہی۔ پس اب جو کچھ دیا ہے اُسے لے اور راتوں رات یہاں سے نکل جا کہیں یہ بھی نہ چھین لے۔ ارے بے خبر! اتنا بھی جو اس کی مٹھی سے ہم نے کھلوا دیا ہے تو اس میں بھی بڑے بڑے چلتر کرنے پڑے ہیں۔ شاعر نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ مہربانو! یہ بتاؤ کہ یہ گنوار آیا

کہاں سے، اس کفن چور وزیر کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا اس کا نام بھی حسن ہی ہے۔ شاعر نے کہا بار الہٰا ان دونوں کا نام ایک ہی کیسے ہو گیا۔ ایک حسن تو وہ تھا کہ اس کی ایک گردشِ قلم سے سیکڑوں وزیر و امیر فیض پاتے تھے، ایک یہ حسن ہے کہ اس کی بدنما ڈاڑھی سے فقط رسیاں ہی بٹی جا سکتی ہیں۔

۹۔ بادشاہ کا روزینہ کم کرنا اور غلام کا عرضیاں لکھنا

کسی بادشاہ کا ایک غلام تھا جس کی عقل مردہ اور ہوس زندہ تھی۔ اپنے فرائض میں بھی غفلت کرتا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کا روزینہ گھٹا دیا جائے اور اگر بحث و تکرار کرے تو اس کا نام فردِ غلامان سے خارج کر دیا جائے۔ وہ غلام روزینے کے کم ہوتے ہی ناراض اور گستاخ ہو گیا۔ اگر اس کی سمجھ ٹھیک ہوتی تو اپنی حالت کو دیکھتا اور اپنے جرم سے مطلع ہوتا تو معافی بھی مل جاتی مگر اس کی ہیکڑی تو دیکھو کہ وہ ہما ہمی کی عرضی نازک مزاج بادشاہ کو بھیجتا ہے!

اے عزیز! تیرا جسم ہی وہ عرضی ہے ذرا غور سے دیکھ اگر وہ حضور شاہ میں پیش کرنے کے لائق ہے تو پیش کر۔ کسی کونے میں بیٹھ کر اپنی عرضی کو کھول کر پڑھ۔ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو دیکھ کہ آیا وہ بادشاہوں کے لائق بھی ہے یا نہیں۔ اگر بادشاہ کے لائق نہیں ہے تو اس کو چاک کر کے دوسری عرضی تیار کر اور اس طرح اپنا مدعا حاصل کر۔

عرضی بھیجنے سے پہلے اس نے داروغہ باورچی خانہ سے جا کر کہا ارے کنجوس ایسے سخی بادشاہ کا باورچی خانہ! اس کے مرتبے اور دریا دلی سے بعید ہے کہ میرا راتب کم

کر دیا جائے ۔ داروغہ نے کہا کہ شاہی مصلحت کے مطابق یہ حکم ہوا ہے۔ اس میں بخل اور تنگدلی نہیں ہے۔ غلام نے کہا کہ واللہ یہ بات تو بھکاری پن کی ہے۔ بادشاہ کی نظر میں تو سونا بھی خاک کے برابر ہے ۔داروغہ نے بہتیری دلیلیں بیان کیں، لیکن اپنی حرص کے مارے اس نے سب کو رد کر دیا ۔جب دوپہر کا کھانا بھی کم ملا تو اس نے بہت بُرا بھلا کہا ۔ مگر نتیجہ ہی کیا تھا!

غلام نے باورچی خانے کے آدمیوں سے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ تم جان کر یہ عمل کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہرگز نہیں ،ہم تو حکم کے تابع ہیں تیرے واسطے یہ کمی ذیلی کارخانے سے نہیں بلکہ اصل حاکم کی طرف سے ہوئی ہے ۔کمان کو الزام نہ دے یہ تیر جو تجھے لگا ہے تیر انداز کے بازو کی قوت سے لگا ہے ۔الغرض وہ غلام غم وغصہ میں گھر گیا اور بگڑ کر عرضی بادشاہ کو لکھی ۔اس میں بادشاہ کی مدح وثنا کی،اس کی فیاضی وسخاوت کو خوب سراہا۔ اگرچہ عرضی کے ظاہری الفاظ تعریفی تھے لیکن اس تعریف میں رنج اور غصّے کی بو آتی تھی ۔ بادشاہ نے اس کو پڑھ کر پھینک دیا کوئی جواب نہ دیا اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اس کو سوائے کھانے کی فکر کے اور کوئی فکر نہیں ۔لہٰذا احمق کی بات کے جواب میں خاموشی بہتر ہے ۔ اس کو ہماری دُوری کا غم اور نزدیکی کی آرزو نہیں ہے ۔ جُزئیات میں گرفتار ہے اور اصل کی پروا نہیں رکھتا ۔جب عرضی کا کوئی جواب نہ ملا تو غلام اور بھی خفا ہوا اور اس غم میں صاف پانی بھی گدلا ہو گیا ۔ مارے جنون کے نہ قرار رہا نہ نیند آئی ۔دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ بادشاہ نے جواب کیوں نہیں دیا۔کہیں رقعہ پہنچانے والے نے بدنیتی تو نہیں کی ممکن ہے اُس نے عرضی کو پیش کرنے کے بجائے چھپا لیا ہو ، غالباً وہ منافق گھانس تلے کا پانی تھا۔مناسب یہ ہے کہ بادشاہ کے حضور میں دوسری عرضی دوں اور کسی دوسرے لایق پیامبر کا انتخاب کروں۔ اس غلام نے امیر عرض بیگی ،داروغۂ مطبخ اور عرضی پہنچانے والے پر اپنی جہالت کی

وجہ سے عیب لگایا اور اپنے اردگرد کی نگرانی پھر بھی نہیں کی۔ اگر اپنے کو ٹٹولتا تو جان لیتا کہ خود اس نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اس بدگمان نے ایک دوسری عرضی تیار کی اور اس میں بہت کچھ ہائے وائے مچائی کہ میں نے عرضی بادشاہ کے حضور میں بھیجی تعجب ہے وہاں پہنچی اور ٹھکانے لگ گئی۔ اس عرضی کو بھی بادشاہ نے پڑھ کر کوئی جواب نہ دیا اور چپکا ہو گیا۔ بادشاہ روکھا پن برتتا گیا اور غلام عرضی پر عرضی دیتا گیا۔ جب پانچویں عرضی پیش ہوئی تو عرضی بیگی نے عرض کی کہ آخر غلام تو حضور ہی کا ہے۔ اگر جواب عنایت فرمائیں تو بعید از کرم نہیں۔ اگر اپنے غلام پر نظرِ کرم ڈالیں تو حضور کی شان بادشاہی میں کیا کمی ہوگی۔ بادشاہ نے جواب دیا یہ کوئی مشکل بات نہیں مگر بات یہ ہے کہ وہ احمق ہے اور احمق خدا کا مردود ہے۔ اگر میں اس کی لغزش اور جرم کو معاف کر دوں تو اس کا عیب مجھ میں سرایت کرے گا۔ ایک آدمی کی خارش سو آدمیوں کو خارشی بنا دیتی ہے اور خصوصاً ایسے بدعقل غلام کی رعایت نہایت مضر ہے۔ خدا کسی آتش پرست کو بھی کم عقل غلام نہ دے کہ اس کی نحوست سے زمین تو زمین بادل تک خشک ہو جاتے ہیں۔

۱۰۔ ایک فقیہ کا دستار کے نیچے دھجیاں بھرنا

ایک فقیہ نے چیتھڑے پاک صاف کر کے اپنے سر پر عمامے کے نیچے باندھتے تھے تاکہ جب وہ کسی محفل میں اونچی مقام پر بھی بیٹھے تو عمامہ بھاری بھر کم معلوم ہو۔ ان دھجیوں سے دستار کی نمائش دگنی ہو گئی تھی لیکن منافق کے دل کی طرح اندر سے ذلیل اور بری تھی۔ گدڑی کی دھجیاں، روئی کے گالے اور پوستین کے ٹکڑے اس عمامے کے اندر دفن تھے۔ صبح سویرے مدرسے کا رخ کیا تاکہ اس عزت کی چیز سے اس کے کچھ

ہاتھ لگ جائے۔ ایک اندھیرے چھتّے میں ایک کپڑے اُتارنے والا چور اپنی تاک میں کھڑا تھا۔ ایک ہی ہاتھ مار کر دستار اُتار لی اور بھاگا تاکہ بیچ کر اپنا کام بنائے۔ فقیہ نے اُس کو آواز دی کہ بیٹا! ذرا دستار واپس لا۔ پھر چاہے لے جائیو۔ یہ جو تو چاروں پروں سے اُڑ رہا ہے تو ذرا دستار کو کھول کر تو دیکھ۔ تو اپنے ہاتھوں سے اس کو کھول کر دیکھ اس کے بعد جی چاہے تو لے جا میں نے تجھے بخشا۔ جب اس نے بھاگتے بھاگتے کھولا تو ہزاروں چیتھڑے گر پڑے۔ اتنے بڑے عمامے سے صرف ایک گز پُرانا کپڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس کو بھی زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ ارے ہلکے آدمی! اس دغابازی سے تو نے ہماری محنت اکارت کی۔ یہ کیا مکر و فریب تھا کہ مجھے دستار پر ہاتھ مارنے اور اُڑا لے جانے کا لالچ دلایا۔ تجھے ان چیتھڑوں کے لپیٹنے پر شرم نہیں آتی کہ مجھے ایک گناہ بے لذّت میں مبتلا کر دیا۔ فقیہ نے کہا کہ بے شک میں نے دھوکا تو دیا لیکن نصیحت کے طور پر تجھے آگاہ بھی کر دیا۔ اسی طرح دنیا اگرچہ بہت خوش منظر ہے لیکن اس نے اپنے عیب کو ہانکے پکارے ظاہر کر دیا اور سب سے کہہ بھی رکھا ہے۔ اے شخص تو جو بہاروں کی خوبی و خرمی پر عش عش کر رہا ہے، ذرا خزاں کی سردی اور زردی کو بھی دیکھ۔

۱۱- ایک شخص کا اپنے حالِ ظاہر کے خلاف ہو اباندھنا

ایک شخص عراق سے بالکل بے سر و سامان ہو کر آیا۔ دوستوں نے اس دُوری و جدائی کے زمانے کے واقعات دریافت کیے۔ اُس نے کہا کہ بے شک دوستوں سے دُوری تو رہی لیکن یہ سفر میرے لیے بہت مبارک اور باعثِ مسرّت رہا۔ خدا ہمیشہ خلیفہ کو شاد و آباد رکھے۔ اس نے مجھے دس خلعت عطا فرمائے۔ اُس نے خلیفہ کی اس قدر تعریف و توصیف کی کہ مبالغہ حد سے بڑھ گیا۔ دوستوں نے کہا کہ جس

خوار و ذلیل حالت سے تو آیا ہی وہی تیرے سفید جھوٹ کی گواہ ہے۔ سر ننگا۔ بدن ننگا۔ بالکل ہڈیوں کا کوڑا۔ یہ شُکر جو تو کر رہا ہے یہ یا تو چُرایا ہُوا ہے یا پڑھایا ہُوا ہے اگرچہ تیری زبان مکڑی کی طرح خلیفہ کی تعریف کا جالا تن رہی ہے لیکن تیری ظاہری حالت اور تیرے ہاتھ پیر اس کی شکایت کر رہے ہیں جو خلعت سخی خلیفہ نے تجھے دیے کیا ان میں پاپوش اور پاجامے نہ تھے۔ اُس نے جواب دیا کہ خلیفہ نے تو اپنی دریا دلی سے کسی چیز کی کمی نہ کی لیکن میں نے سب بانٹ دیا۔ میں پاکباز دیندار ہوں اس لیے مال خدا کی راہ میں خیرات کرکے اس کے بدلے عمر دراز حاصل کی۔ دوستوں نے کہا کہ خیر مال گیا تو اچھا ہُوا لیکن تیرے دل سے دھوئیں کے لچھے جو اُٹھ رہے ہیں یہ کاہے کے ہیں۔ تیرا دل ایسا منہ بنا رہا ہے جیسا کہ کانٹا چبھنے سے آثار درد پیدا ہوتے ہیں۔ تیرے سکڑے ہوئے چہرے میں پاکبازی کا نشان نہیں۔ جو آدمی ایثار کرتا ہے اس کی سیکڑوں پوشیدہ علامتیں ہوتی ہیں اور نکوکاری کی پہچان فوراً ہوتی ہے۔ اگر مال خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے تو آدمی کے باطن میں سوسو طرح کی زندگیاں اس مال کی جانشین ہوتی ہیں۔ تو کہتا ہے میں نے گلقند کھایا ہے اور تیرے منہ سے لہسن کی بھبک آ رہی ہے، ارے خواہ مخواہ کی بڑ مت ہانک۔ دل کی مثال ایک بڑی حویلی کی ہے اور اس حویلی کے چھپواں ہمسائے بھی ہیں۔ وہ ہمسائے دراڑوں، سوراخوں اور دیواروں پر سے حویلی کے اندر کے حال سے خبردار ہو جاتے ہیں، ایسی دراڑ سے جس کا سان گمان بھی نہیں اور جس کا صاحبِ خانہ کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا

۱۲۔ چڑی مار کو ایک پرندے کی نصیحت

ایک چڑی مار نے بڑی ترکیب سے پھندے میں چڑیا پکڑی۔ چڑیا نے اس سے کہا اے بزرگ سردار! فرض کیجیے آپ مجھ جیسی چھوٹی سی چڑیا کو پکڑ کر کھا بھی جائیں گے تو

کیا حاصل ہوگا۔ اب تک آپ کتنی گائیں اور دُنبے کھا چکے ہیں اور کتنے اُونٹ قربانی کر چکے ہیں۔ جب کہ آپ اتنے بڑے بڑے جانوروں کو کھا کر سیر نہیں ہوئے تو میرے ذرا سے گوشت و استخواں سے آپ کیا سیر ہوں گے۔ بجائے اس کے اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو آپ کی جواں مردی اور بلند نظری سے بعید نہیں۔ دوسرے آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں ایسی تین مفید نصیحتیں کردوں کہ آپ کے ہمیشہ کام آئیں۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو آپ کے ہاتھ پر بیٹھے بیٹھے ہی کر دوں گی دوسری نصیحت دیوار پر بیٹھ کر دوں گی وہ ایسی ہوگی کہ آپ مارے خوشی کے پھول جائیں گے اور اپنی معلومات پر اترانے لگیں گے۔ اور تیسری نصیحت درخت پر بیٹھ کر سناؤں گی اِن تین نصیحتوں سے آپ دنیا میں نیک بخت ہو جائیں گے۔ چڑی مار راضی ہو گیا۔ پھندا ڈھیلا کر دیا۔ چڑیا پھدک کر ہاتھ پر آبیٹھی اور کہنے لگی ہاتھ والی نصیحت یہ ہے کہ محال بات چاہے کیسا ہی شخص کہے کبھی اعتبار نہ کر۔

جب پہلی نصیحت ہاتھ پر بیٹھ کر کہہ چکی تو آزاد ہو کر پھر سے دیوار پر جا بیٹھی۔ اور دوسری نصیحت یہ کی کہ گزری ہوئی مصیبت کا غم نہ کر اور گزری ہوئی آسائش کی حسرت نہ کر۔ اس کے بعد چڑیا نے کہا کہ میرے پوٹے میں دس درم وزن کا ایک موتی ہے کہ تم کو دولت مند اور تمہارے بچوں کو اقبال مند کر دیتا، ایسا موتی جس کی نظیر تمام دنیا میں کہیں نہ تھی۔ افسوس کہ تم نے مجھے آزاد کر کے کھو دیا۔ جاؤ تمہاری قسمت میں نہ تھا۔ وہ چڑی مار یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر اس طرح کوتتھ کوتتھ کر رونے لگا جس طرح زچگی کے وقت بچہ جننے والی کروٹ بدل بدل کر روتی ہے۔ بار بار سرد آہیں کھینچ کر کہتا تھا کہ ہائے مجھ ناشدنی نے ایسی چڑیا کو کیوں چھوڑ دیا۔ ارے میں تو ڈوب گیا۔ اے چڑیا وہ بھی کیا ہی بُری گھڑی تھی جب تو آزاد ہوئی تو نے ہتھیلی میں جنّت دکھا کر مجھے لوٹ لیا۔ چڑیا نے کہا میں نے پہلے ہی نصیحت کر رکھی ہے کہ گزری ہوئی

بات کا غم نہ کرو۔ جب وہ رفت و گزشت ہوگئی تو اس کا رنج کس کام آئے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم اس نصیحت کو سمجھے نہیں یا بہرے پن کی وجہ سے تم نے سنی ہی نہیں۔ اور دوسری نصیحت بھی کر دی تھی کہ محال بات کا ہرگز اعتبار نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ بھلا غور تو کرو، میرا پورا تن و توش تین درم وزن کا بھی نہیں ہے۔ دس درم وزن کا موتی میرے پوٹے میں کیونکر رہ سکتا ہے۔ اب جا کر چڑی مار کے اوسان ٹھکانے لگے سمجھا کہ بے شک قرینے کی بات ہے۔ کہنے لگا ارے نازک بدن وہ تیسری نصیحت بھی کرتی جا۔ چڑیا نے کہا واہ کیا خوب؟ تم نے ان دو نصیحتوں پر کونسا عمل کیا جو تیسری نصیحت کو ضایع کر دوں۔ اتنا کہہ کر خوشی خوشی خودمختاری کے ساتھ جنگلوں کے رُخ اُڑ گئی ؀

۱۳۔ ایک عورت کا علیؓ سے مدد طلب کرنا

ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس آئی اور کہا میرا بچہ نالے پر چڑھ گیا ہے بُلاتی ہوں تو آتا نہیں اور اگر اس کے حال پر چھوڑتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ کہیں نیچے نہ گر پڑے۔ اگر ڈرا کر بُلاتی ہوں تو اتنی سمجھ نہیں کہ خطرے کو سمجھے۔ ہاتھ کے اشارے کو بھی نہیں سمجھتا اور سمجھتا بھی ہے تو مشکل یہ کہ مانتا نہیں۔ میں نے بہتیری دودھ کی دھار نکال کر دکھائی مگر وہ ہے کہ خطرے کی طرف ہی رُخ کرتا ہے۔ اے مشکل کشا خدا کے واسطے میری مدد کیجیے۔ میرا دل کانپا جاتا ہے کہیں میرے دل کا میوہ ٹوٹ کر جھڑ نہ پڑے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کسی بچے کو کوٹھے پر کھڑا کر دے تاکہ بچہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اور نالے سے اپنی جنس کی طرف آہستہ سے آ جائے کیونکہ ہم جنس اپنے ہم جنس پر فریفتہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اس عورت نے ایک بچہ کھڑا کیا تو اس کا فرزند اپنے ہم جنس کو دیکھ کر ہنستا کھیلتا اُدھر چلا آیا اور اس طرح نالے کے اندر گرنے سے بچ گیا۔ پیغمبر

آدمی کی جنس سے اس لیے ہیں کہ ہم جنسی کی کشش سے مخلوق بدر رؤیں گرپڑنے سے بچی رہے۔ حضرتِ خیر البشر صلعم نے جو فرمایا کہ میں تمہاری ہی مثل ہوں اس کی حکمت یہی ہے کہ لوگ اپنی جنسیت کی طرف کھنچے چلے آئیں اور گمراہ نہ ہونے پائیں؛

۱۴۔ شاہی مصاحب کا اپنے سفارشی سے رنجیدہ ہونا

ایک بادشاہ اپنے مصاحب پر ناراض ہوا اور چاہا کہ ایسی سزا دے کہ دل سے دُھواں نکلنے لگے۔ بادشاہ نے تلوار نیام سے سونت لی کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارے یا کوئی سفارش کر سکے۔ البتہ عماد الملک نامی ایک مصاحب زمین پر گر پڑا اسی وقت بادشاہ نے غضب کی تلوار ہاتھ سے رکھ دی اور فرمایا کہ اگر دیو بھی ہے تو میں نے بخش دیا اور اگر شیطنت بھی کی ہے تو میں نے قطع نظر کی۔ جب تیرا قدم درمیان آگیا تو چاہے جرم کیسا ہی سخت ہو میں اس سے راضی ہوں؛

اب سُنیے کہ وہ مصاحب جو موت کی مصیبت سے چھٹا محبت کی بنا پر خود اپنے سفارشی سے ناراض ہو گیا اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا تاکہ عماد الملک سے سلام و کلام ہونے ہی نہ پائے۔ وہ اپنے سفارشی سے جو اس قدر انجان ہو گیا تو لوگ افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر یہ مجنون نہ ہوتا تو ایسے شخص کی دوستی کیوں ترک کرتا جس نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ ارے اس نے تو گردن پہ رکھی ہوئی تلوار سے بچایا تھا، ایسے کے پاؤں کی خاک ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر یہ الٹا اینٹھ گیا اور ایسے شفیق دوست سے دشمنی اختیار کی۔ ایک ناصح نے اس کی خوب فضیحتی کی

کہ تو مہربانی کا ایسا بدلہ کیوں دے رہا ہے۔
اس نے کہا کہ بادشاہ پر سے جان تصدق ہے، میرے اور بادشاہ کے درمیان وہ کیوں سفارشی ہؤا۔ سوائے بادشاہ کے رحم کے مجھے کسی اور کا رحم درکار نہیں اور سوائے بادشاہ کے کسی غیر کی پناہ مجھے نہیں چاہیے۔ میں نے تو غیر شاہ کی نفی کر رکھی ہے۔ وہ اگر ایک دفعہ میری گردن مار دے تو ایسی ایسی ساٹھ جانیں بخش بھی دے گا۔ میرا فریضہ سر دینا اور بے نفسی سے رہنا ہے اور بادشاہ کا فریضہ سر بخشنا ہے۔ اس سر کے کیا کہنے جو شاہنشاہ کے ہاتھ سے کاٹا جائے اور پھٹکار ہے اس سر پر جو غیر کے آگے اپنی ضرورت لے جائے ؛

دفترِ پنجم مثنوی شریف

۱۵۱۔ ایک عرب کا اپنے کتّے کی جانکنی پر واویلا مچانا، مگر کھانے کو ایک نوالہ بھی نہ دینا

ایک کُتّے کی جان نکل رہی تھی اور ایک عرب پاس بیٹھا رو رہا تھا آنکھوں سے لگاتار آنسو بہ رہے تھے اور کہتا جاتا تھا کہ ارے مجھ پر تو قیامت آگئی۔ ہائے میں کیا کروں ارے کونسا جتن کروں۔ ارے پیارے کتّے تیرے بعد کیونکر جیونگا۔ ایک فقیر ادھر سے گزرا پوچھا یہ کیا واقعہ ہے تو کس لیے رو رہا ہے اس نے کہا کہ میرا ایک کتّا بڑا ہی وفادار تھا۔ دیکھو وہ راستے میں پڑا دم توڑ رہا ہے دن کو شکار کر کے لاتا اور رات بھر نگہبانی کرتا تھا۔ کُتّا کیا تھا وہ تو شیر تھا۔ بڑی روشن آنکھوں والا، چوروں کو بھگانے والا اور

شکار پکڑنے والا تو ایسا تھا کہ شکار کے پیچھے تیر کی طرح جاتا تھا۔ اس میں بلا کی قناعت تھی بالکل بے غرض تھا اور دشمن کو پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا اور اس کے باوجود بہت باوفا نیک خصلت اور مہربان تھا۔ فقیر نے پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے۔ کیا کوئی زخم ہو گیا ہے۔ عرب نے کہا کہ بھوک سے مرا جاتا ہے۔ فقیر نے کہا کہ بھائی اس مصیبت اور مرض الموت پر صبر کر۔ صبر کرنے والوں کو خدا اپنے فضل وکرم سے عوض دیتا ہے۔ اس کے بعد پوچھا کہ سردار آپ کی پیٹھ پر یہ بھری ہوئی جھولی کاہے کی ہے؟ کہا کہ کل کے واسطے کچھ روٹیاں اور کھائی پکائی کا سامان ہے۔ اپنے ہاتھ پیر کی قوت قائم رکھنے کے لیے لیے جاتا ہوں۔ فقیر نے کہا کہ پھر تم روٹی سالن کتے کو کیوں نہیں دیتے۔ عرب نے کہا کہ اس درجہ محبت وبخشش میں نہیں پالتا۔ روٹیاں تو بے پیسے ہاتھ نہیں آتیں۔ البتہ آنسو بیکار ہیں۔ سو ان کو بہا دیتا ہوں۔ فقیر نے کہا ارے خاک پڑے تیرے سر پر! او ہوا بھری ہوئی مشک، تیرے نزدیک روٹی کا ایک نوالہ آنسو سے بڑھکر ہے۔ آنسو تو وہ خون ہے جس کو غم نے پانی بنا دیا ہے۔ ارے بیہودہ تیرے نزدیک خون خاک کے برابر بھی نہیں رہا۔

۱۶۔ ایک حکیم کا مور پر اعتراض کرنا جو اپنے پر آپ اُکھیڑ رہا تھا

ایک مور جنگل میں اپنے پر اُکھیڑ رہا تھا۔ ایک حکیم بھی اُس طرف سیر کرتا ہوا جا نکلا۔ پوچھا کہ اے مور ایسے خوبصورت پر اور تو جڑوں سے اُکھیڑے دیتا ہے۔ خود تیرے دل نے کیسے قبول کیا کہ ایسے نفیس لباس کو نوچ کھسوٹ کر کیچڑ میں پھینک دے۔ تیرے ایک ایک پر کو خوبصورتی کی وجہ سے حافظ لوگ تو قرآن شریف کی ترک بنا کے رکھتے

ہیں اور مفید و خوشگوار ہوا کے لیے تیرے پروں کی پنکھیاں اور پنکھے بنائے جاتے ہیں
یہ کیسی ناشکری اور جسارت ہے۔ تو نہیں جانتا کہ تیرا نقّاش کون ہے۔ یا جان بوجھ کر
ہیکڑی کرتا ہے اور جان کرنئی وضع بناتا ہے۔ جب مور نے یہ نصیحت سنی تو حکیم کو غور
سے دیکھا اور اس کے بعد چلّا چلّا کر رونے لگا۔ وہ مور ایسی پُر درد آواز سے رویا
کہ سارے تماشائی رو پڑے اور جس نے پر نوچنے کا سبب دریافت کیا تھا وہ بغیر
جواب کے پشیمان ہو کر دیکھنے لگا کہ میں نے ناحق ہی اس سے پوچھا وہ پہلے ہی غم سے
بھرا ہوا تھا میں نے اور چھیڑ دیا۔ اس کی آنکھوں سے جو آنسو کا قطرہ زمین پر ٹپکتا تھا،
اس میں سو سو جواب موجود تھے۔ جب رو چکا تو کہا کہ جا تو ابھی رنگ و بو میں گرفتار
ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ ان ہی پروں کے لیے ہر طرف سے سیکڑوں بلاؤں کا نزول مجھ
پر ہوتا ہے۔ کتنے بے رحم شکاری ہیں جو ان ہی پروں کی خاطر ہر طرف جال لگاتے ہیں اور
کتنے تیر انداز ہیں جو ان ہی پروں کے واسطے مجھ پر تیر چلاتے ہیں۔ چونکہ ایسی موت الٰہی
آفت اور ایسے فتنے سے اپنے کو بچائے رکھنے کی مجھ میں طاقت نہیں اس لیے بہتر یہی
ہے کہ بدنما و بدشکل ہو جاؤں تاکہ اس پہاڑ کے دامن اور اس جنگل میں محفوظ رہوں۔
میرے نزدیک جان بال و پر سے ہزار درجہ بہتر ہے کیونکہ وہ باقی رہنے والی اور جسم
فنا ہونے والا ہے۔ اے جوان یہ پر میرے غرور کا آلہ بن گئے ہیں اور غرور مغروروں
کو سو بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے۔ اے عزیز! سلامتی چاہتا ہے تو غرور کے اسباب کو ترک کردے؛

۱۷۔ ایک شخص کا ہرن کو گدھوں کے اصطبل میں بند کر دینا

ایک شکاری نے ہرن پکڑا اور اصطبل میں باندھ دیا۔ اس اصطبل میں گدھے ہی گدھے بھرے
ہوئے تھے۔ ہرن مارے گھبراہٹ کے ہر طرف دوڑتا تھا اور شکاری رات بھر گدھوں کے

آگے گھانس ڈالتا رہا۔ مارے بھوک اور حرص کے ہر گدھا وہ گھانس اس مزے سے کھا رہا تھا جیسے کوئی گنا چوستا ہے۔ وہ ہرن کبھی تو ادھر اُدھر بھاگتا تھا اور کبھی دھوئیں اور گرد و غبار سے گھبرا کے منہ پھیر لیتا تھا۔ جس کسی کو اپنے خلاف طبع غیر جنس کے ساتھ یکجا کرتے ہیں تو وہ اسے موت کی سزا کے برابر جانتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر وہ ہُدہُد غیر حاضری کا معقول عذر نہ پیش کرے گا تو میں اس کو قتل کر دوں گا، یا اسے سخت سزا دوں گا جس کی کوئی حد نہ ہوگی۔ وہ کونسا عذاب ہے؟ وہ اپنے غیر جنس کے ساتھ ہم قفس ہونا ہے۔ اے فرزند تو بھی اس بدن میں عذاب پا رہا ہے۔ تیری روح کا پرندہ دوسری جنس کے ساتھ ایک جگہ قید کر دیا گیا ہے۔

الغرض کئی دن تک وہ خوشبودار نافے کا ہرن گدھوں کے اصطبل میں سزا بھگتتا رہا۔ ایسا بے تاب رہا جیسے مچھلی خشکی پر تڑپتی ہے گویا ایک ہی ڈبے میں مینگنی اور مشک عذاب پا رہے تھے۔ ایک گدھے نے کہا کہ اوہو! ارے جنگلی تو بادشاہوں اور امیروں کا دماغ رکھتا ہے، بس نچلا بیٹھ۔ دوسرے گدھے نے قہقہہ مار کر کہا کہ دنیا کے جوار بھاٹے میں سے یہ بڑا آبدار موتی نکال لایا ہے۔ ایسی ان مول چیز کو سستا کیسے بیچے۔ تیسرے گدھے نے آوازہ کسا کہ جب تم ایسے نازک بدن ہو تو جاؤ تختِ شاہی پر تکیہ لگا کر بیٹھو۔ چوتھے گدھے کو کھاتے کھاتے بدہضمی جو ہوئی تو گھانس کھانی چھوڑ دی اور اپنی گھانس پر ہرن کو دعوت دینے لگا۔ ہرن نے سر ہلا کر جواب دیا کہ نہیں میں نہیں کھاتا۔ میں تو بہت کمزور ہو رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ ہاں ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم ذرا شان دکھا رہے ہو یا اپنی ہوا باندھنے کی خاطر کھانے سے پرہیز کر رہے ہو۔ ہرن نے گدھے سے کہا یہ کھا جا تو تیرا ہی ہے کیونکہ اس سے تیرے اجزائے بدن زندہ اور تازہ ہیں۔ مگر میں تو سرسبز و شاداب سبزہ زاروں کا شیدائی ہوں۔ بڑے بڑے درختوں کے سائے اور خوبصورت باغوں میں میں نے بسیرا کیا ہے۔ اگر قضائے

الٰہی نے مصیبت میں مبتلا کر دیا تو بھی شریف طبیعت کی خو خصلت دفعتہً کیونکر بدل جائے گی۔ اب بھک منگا ہو گیا ہوں تو کیا ہؤا! بھک منگی صورت تو نہیں ہے۔ اور اگر میرا لباس پُرانا ہو جائے تو کیا میں تو نیا ہوں۔ میں تو وہ ہوں کہ میں نے سنبل و لالہ کو بڑے ہی ناز نخروں سے آہستہ آہستہ کھایا ہے۔ میرا نافہ خود شاہد ہے کہ اس کی خوشبو عود و عنبر کو دُور بھگاتی ہے۔ لیکن اس کو وہی سونگھتا ہے جس کے ناک ہو لید کو پوجنے والے گدھے پر اس کی خوشبو حرام ہے۔ گدھے جب چلتے ہیں تو راستے میں ایک دوسرے کی پیشاب گاہ سونگھا کرتا ہے میں ایسوں کو مشک کیوں کر سُنگھاؤں ؛

۱۸۔ ایک صاحبِ دل کا خواب میں کُتیا کے پیٹ میں سے بچّوں کی آواز سُننا

ایک شخص چِلّے میں تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک کُتیا حاملہ ہے۔ یہ راستے سے چلا جا رہا ہے کہ یکایک کتّے کے بچوں کی آواز سُنی۔ حالانکہ بچّے کُتیا کے پیٹ میں تھے اُس کو اِن آوازوں پر تعجب ہؤا کہ کُتیا کے پیٹ میں سے بچوں نے آواز کیوں کر دی اسی حیرت میں آنکھ کھل گئی۔ مگر بیداری میں بھی اس کی حیرت بڑھتی گئی۔ چِلّے میں کوئی اور بھی نہ تھا کہ تعبیر دے کر اس گرہ کو کھولتا۔ لامحالہ درگاہِ الٰہی میں رجوع کیا۔ اس نے عرض کی یارب! ان آوازوں کو سُن کر میں ایسے اچنبھے میں پڑ گیا ہوں کہ اس چِلّے میں تیرے ذکر اور تیری یاد سے بھی غفلت ہو رہی ہے۔ الٰہی میرے پنکھ کھول دے تاکہ اس عالمِ حیرت سے باہر ہو جاؤں۔ جواب میں ایک فرشتے کی آواز آئی اور کہا کہ یہ جاہلوں کے بڑائی کرنے کی مثال تھی

یعنی وہ جو آنکھیں بند کرکے بیہودہ بکتے ہیں۔ کُتّے کے بچّے اگر پیٹ میں سے آواز دینے لگیں تو سراسر حماقت ہے۔ نہ وہ شکار کر سکتے ہیں نہ رات کو نگہبانی کر سکتے ہیں۔ نہ انھوں نے بھیڑیے کو دیکھا کہ اس کو بھگا سکیں نہ انھوں نے چور کو دیکھا کہ اس کو روک سکیں اپنی حرص اور سروری کی تمنّا میں اِن جاہلوں کا بھی یہی حال ہے کہ غور و نظر میں کمزور اور زباں درازی میں شہزور رہیں ؀

۱۹- ایاز کا اپنے پوستین کے لیے حجرہ تعمیر کرنا اور حاسدوں کی بدگمانی

ایاز نے جو بہت عقلمند تھا اپنے پُرانے پوستین اور چپلوں کو ایک حجرے میں لٹکا رکھا تھا روزانہ اس حجرے میں تنہا جاتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ دیکھ تیری چپلیں یہ رکھی ہیں خبردار تکبر و نخوت مت کرنا۔ لوگوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایاز نے ایک حجرہ بنایا ہے اس میں چاندی سونا جمع کیا ہے اور ایک شراب کا چھوٹا سا پیپا بھی ہے وہاں کسی کو آنے نہیں دیتا۔ ہمیشہ دروازہ بند رکھتا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اس غلام پر حیرت ہے بھلا ہم سے کیا چیز اور کیا بات پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے ایک امیر کو حکم دیا کہ آدھی رات کو زبردستی دروازہ کھول کر اندر گھس جاؤ۔ وہاں جو کچھ پاؤ لوٹ لو اور وہاں کے پوست کندہ حالات اہلِ دربار پر ظاہر کرو اس کے کیا معنی کہ ہمارے اتنے کرم اور بے حساب مہربانیوں کے باوجود بھی اپنی بدفطری کی وجہ سے سونا چاندی چھپا کر رکھتا ہے۔ اگرچہ بادشاہ خود اس کی پاکبازی کا یقین رکھتا تھا لیکن امیروں کو علانیہ دکھانے کے لیے تدبیر کی اور حکم دیا کہ اے امیرو! آدھی رات کو جا کر اس کے حجرے کا دروازہ کھولو۔

اس کی ساری دولت میں نے تمھیں بخشی۔ بادشاہ امیروں سے تو کہہ رہا تھا مگر اس کا ضمیر جانے بوجھے کے متعلق ایسا حکم دینے پر بے تاب تھا کہ میری زبان سے اور ایسے احکام ایاز کے متعلق نکلیں۔ اگر میری ایسی سنگدلی کا حال وہ سن لے گا تو اس کا کیا حال ہوگا۔ پھر کہتا تھا کہ اسی کے دین دایمان کی قسم اس واقعے کے بعد اس کی عزت و توقیر اور بڑھ جائے گی۔ اگر میں آزمانے کو سو تلواریں بھی لگا دوں تو بھی اس پیارے کی محبّت کم نہ ہوگی۔ القصہ وہ سب امیر حجرے کے دروازے پر دولت اور شراب لوٹنے کی دھن میں پہنچے۔ چند آدمیوں نے بڑی ہاتھ چالاکی اور ارکان سے دروازے کا قفل کھول ڈالا کیونکہ اس پر بہت پیچ دار قفل پڑا ہوا تھا۔ ایاز نے یہ قفل بخل کی راہ سے نہیں ڈالا تھا بلکہ چاہتا تھا کہ اپنا بھید عوام الناس سے پوشیدہ رکھے۔ حجرہ کھول کر یہ بدگمان حاسد ایک دم ایسے اندر گھس پڑے جیسے کہ چھاچھ کی ناند میں مکھی مچھر سڑ کر بدبو دینے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ چھاچھ کے عشق میں بڑے زور و شور سے گرتے ہیں مگر نہ چھاچھ کھا سکتے ہیں نہ باہر نکلنے کا دم باقی رہتا ہے۔ انھوں نے حجرے کے دائیں بائیں دیکھا بھالا۔ وہاں سوائے پھٹی چپل اور پوستین کے کیا دھرا تھا۔ پھر آپس میں کہا کہ اس جگہ ضرور کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ یہ پھٹی ہوئی چپلیں تو ضرور دکھاوے کو ہیں۔ کہنے لگے نوک دار میخیں تو لے آؤ زمین دوز حوضوں اور بدر روؤں کو بھی کھول کر دیکھ لیں۔ چنانچہ ہر طرف کھود کھود کر بھی دیکھا کئی کئی گڑھے اور خندقیں کھود ڈالیں مگر آخر کار اپنی حرکتوں پر شرماشرما کر ان گڑھوں کو بھرتے جاتے تھے۔

اس کے بعد انھوں نے اپنی عقل کے اندھے پن سے دیواروں میں بڑے بڑے بغارے ڈال دیے۔ لیکن یہاں بھی ہر اینٹ میں لاحول کی گونج تھی۔ اس گروہ کی تمام گمراہیوں اور بیہودگیوں کے گواہ دیواروں کے بغارے رہ گئے۔ یہ تو ممکن تھا کہ دیوار زبانِ حال سے نالہ نہ کرے مگر ایاز کی بے گناہی پر کوئی مجال انکار نہ تھی

بہر حال اب یہ فکر پڑی کہ بادشاہ کے سامنے کیا عذر کریں کہ اپنی جان بچے ۔ آخر کار مایوس ہوکر اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں کو کاٹ کاٹ کر لہولہان کرتے ہوئے سروں پر عورتوں کی طرح دُہتڑ مارتے ہوئے وہ لوگ گرد و غبار میں اٹے زرد رو شرمندہ شکل بنائے حضورِ شہریار میں حاضر ہوئے ۔ بادشاہ کے عرض بیگی نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے ۔ تمھاری بغلیں زر و جواہر کی تھیلیوں سے خالی ہیں ۔ اور اگر تم نے وہ دولت چھپالی ہے تو خیر مگر تمھارے چہروں اور گالوں پر مسرت کے خون کی جھلک تک بھی نہیں ہے وہ سب امیر اپنی پشیمانی کا اظہار کرنے لگے اور سب کے سب سائے کی طرح چاند کے آگے سجدے میں گر پڑے ۔ اس کینے اور ہماہمی کے دعووں کی شرمندگی مٹانے کو تیغ و کفن لے کر حاضر ہوئے ۔ سب مارے شرم کے انگلیاں کاٹ رہے تھے اور ہر ایک کہ رہا تھا کہ اے شاہِ جہاں ! اگر ہمارا خون بھی بہایا جائے تو بالکل حلال ہے ۔ اگر بخش دیا جائے تو آپ کا انعام و احسان ہے ۔ بادشاہ نے ارشاد کیا کہ نہیں میں نہ تم کو بخشوں گا نہ سزا دوں گا ۔ یہ معاملہ ایاز کے سپرد ہے ۔ یہ تکلیف و مصیبت ایاز کے جسم اور آبرو پر گزری ہے اور زخم اس نیک خصلت کی رگوں پر لگے ہیں ۔ لہٰذا اے ایاز ! اب تو اِن مجرموں پر حکم عدالت جاری کر کیونکہ ہم کو تیرے بدلہ لینے کا سخت انتظار ہے ۔ ایاز نے عرض کی کہ اے بادشاہ حکم تو تجھی کو حاصل ہے ۔ جہاں آفتاب طلوع ہو، وہاں ستارے نابود ہو جاتے ہیں ۔ زہرہ یا عطارد یا شہاب ثاقب کی کیا مجال کہ آفتاب کے آگے اپنا وجود ثابت کریں ۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایاز ! تجھے اپنی چپل اور پوستین سے یہ عشق ہے ۔ یہ تیری بت پرستی نہیں تو کیا ہے ۔ اِن دو پُرانی چیزوں سے جان کے برابر محبت قایم کر کے تو نے دونوں کو اپنے حجرے میں لٹکا دیا ۔ اِن پُرانی چیزوں کو تو کب تک یاد رکھے گا ۔ آخر یہ تو بتا کہ تیری چپل کس آصف کی جلوہ گاہ ہے اور کیا تیری پوستین یوسف کی قمیص ہے؟ اپنی چپل کے اس بھید کو بیان کر کہ تجھے اس

چپل کے آگے اتنی سرافگندگی کیوں ہی، تاکہ پوستین اور چپل کے اصل بھید کو معلوم کرکے ہمارے نافرمان اور فرمانبردار بندے سر جھکائیں۔

ایاز نے عرض کی میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ سب تیری عطا ہی ورنہ میں تو وہی پوستین اور چپّل ہوں۔ اسی لیے ان کی حفاظت کرتا ہوں کہ گویا وہ میری اصلی ذات کی حفاظت ہی ÷

۲۰۔ لومڑی کا مکر سے گدھے کو دوبار شیر کے آگے لے جانا

ایک دھوبی کا گدھا تھا۔ پیٹھ زخمی، پیٹ خالی اور جسم بالکل ہڈیوں کا کوڑا پٹیل پہاڑیوں کے بیچ میں بالکل بے سہارا اور بے آسرا صبح سے شام تک رہتا تھا۔ وہاں سوائے پانی کے کچھ نہ تھا۔ وہ گدھا دن رات پیچ و تاب کھاتا رہتا تھا۔ ان ہی پہاڑیوں کے آس پاس ایک گھنا جنگل تھا۔ اس میں ایک شیر شکار کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً شیر کا جنگلی ہاتھی سے مقابلہ ہؤا۔ شیر اس قدر زخمی ہو گیا کہ شکار کے قابل نہ رہا۔ جب شیر مدّت تک شکار کو نہ نکلا تو دوسرے چھوٹے درندے ناشتے سے محروم ہو گئے۔ کیونکہ شیر کا پس خوردہ وہی کھاتے تھے۔ شیر بیمار ہو گیا تو وہ بھوکے مرنے لگے شیر نے ایک لومڑی کو بلا کر کہا جا اور کسی گدھے کو میرے لیے شکار بنا۔ اگر اس سبزہ زار میں کسی گدھے کو پائے تو جا کر اسے باتوں میں لگا کر یہاں تک لے آ۔ چاہے گدھا ہو چاہے گائے ہو جو بھی ملے ڈھونڈ اور اپنی چالاکیوں کا جال بچھا۔ جب گدھے کے گوشت سے مجھ میں کچھ دم آجائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا اچھا شکار کروں گا۔ تھوڑا سا میں کھاؤں گا۔

باقی تم ہی کھاؤ گے میں توصرف تمھارے رزق کا ذریعہ بنوں گا۔ لومڑی نے عرض کی جو حکم، میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ ایسے اُتار چڑھاؤ بتاؤں گی کہ عقل چکر میں آجائے۔ حیلہ بازی اور مکّاری میرا کام ہے۔ غرض پہاڑ کے اوپر سے لومڑی ندی کی طرف اسی فکر میں جارہی تھی کہ اُس غریب دُبلے پتلے گدھے پر نظر پڑی۔ لومڑی نے سامنے جاکر بڑے تپاک سے سلام کیا اور اس سادہ دل فقیر کے سامنے گئی۔ کہا کہ حضرت اس خشک بیابان میں جہاں پتھر ہی پتھر ہیں آپ کیوں رہتے ہیں۔ گدھے نے کہا چاہے غم ہو چاہے الم ہو خدا نے میری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ اور میں اسی پر شاکر ہوں۔ میں اس قسمت کرنے والے کی تقسیم پر راضی ہوں جو خاص و عام کا مالک ہے۔ سب اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں، کیا چوپائے کیا حشرات الارض وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔ پرندے اور مچھلیاں بھی اپنی قسمت کا کھاتی ہیں اور چیونٹیاں اور سانپ بھی اسی کی دی ہوئی غذا سے پیٹ بھرتے ہیں۔

لومڑی نے کہا رزق حلال ڈھونڈنا حکم خدا کی تعمیل میں سب پر فرض ہے۔ اس عالمِ اسباب میں بے سبب رزق نہیں ملتا۔ لہٰذا کوشش کرنا لازم ہے۔ اے صاحبِ عقل اگر تو کسی کنوئیں میں جا بیٹھے تو رزق تجھ تک کیسے پہنچے گا۔ گدھے نے کہا یہ ہمارے توکّل کا ضعف ہے ورنہ جس نے جان دی ہے وہی نان بھی دے گا۔ جو بادشاہی و فتحمندی کی تلاش کرے اُسے کھانے کو کم نہیں ملتا۔ لیکن چرندے درندے بھی اپنا اپنا رزق کھاتے ہیں۔ نہ وہ کمائی کرتے ہیں نہ اپنا رزق ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ سب کو وہ رزّاق ہی روزی دیتا ہے اور جس کا جو مقسوم ہے وہ اس کے آگے رکھ دیتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے۔ رزق خود اس کے آگے آتا ہے۔ اس لیے جستجو اور فکر تیری بے فکری کے سبب سے ہیں۔

لومڑی نے کہا کہ ایسا توکّل تو نادرات سے ہے۔ توکّل کے مسئلے میں لوگ بہت

غلطی کرتے ہیں کسی غیر معمولی اصول کے پیچھے پڑنا سخت نادانی ہے۔ ہر شخص میں بادشاہی کرنے کی قابلیت کہاں ہے۔ اگرچہ پیغمبرؐ نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے مگر وہ پوشیدہ خزانہ ہر ایک کو کب ملتا ہے۔ اے گدھے اپنے حدِ ادب کو پہچان اور زیادہ اونچا نہ اُڑ کہیں خرابی کے گڑھے میں نہ گر پڑے۔ جب توکّل پر تجھے صبر نہیں ہے تو اپنی کوشش سے کما اور روزی تلاش کر۔ گدھے نے کہا یہ بات تو تو بالکل اندھی کہتی ہے۔ طمع سے جان خرابی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ نہ قناعت سے اب تک کوئی مرا ہے نہ حرص کرکے کوئی بادشاہ ہؤا ہے۔ کارخانۂ قدرت میں سوروں اور کتّوں تک کو رزق دینے میں دریغ نہیں۔ اور بارش و ابر آدمیوں کا کسب نہیں ہے۔ جس طرح کہ تو رزق کی عاشق اور اس کے لیے بے تاب ہو رہی ہے، اسی طرح رزق بھی اپنے کھانے والے کا عاشق و شیدا ہے۔ اگر تو جلدی نہ کرے تو رزق کھنچا کھنچا خود ہی تیرے دروازے پر حاضر ہو اور اگر تو بے صبری کرے تو پھر تجھے دردِ سر میں مبتلا کردے۔

لومڑی نے کہا کہ یہ لمبی چوڑی باتیں چھوڑ اور کسب پر ہاتھ ڈال۔ البتہ یہ کوشش بے غرض ہونی چاہیے۔ جو شخص کسی ہنر یا پیشے میں قدم رکھتا ہے وہ گویا دوسرے اہلِ پیشہ کی مدد کرتا ہے کیونکہ تمدن کے سارے پیشے ایک شخص انجام نہیں دے سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑھئی بھی وہی ہو، سقّہ بھی وہی ہو اور جولاہا بھی وہی ہو، جب کہ باہمی امداد پر یہ کارخانہ قایم ہے تو ہر شخص کو ایک پیشہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ مفت خوری کی سند نہیں۔ سنّت کی راہ تو یہی ہے کہ آدمی کوئی کام اور کوئی پیشہ اختیار کرے۔

گدھے نے کہا کہ خدا پر توکّل کرنے سے بہتر دونوں عالم میں کوئی پیشہ مجھے نہیں سوجھتا۔ یہ بات میرے علم سے باہر ہے کہ کسی نے خدا کا شکر ادا کیا ہو اور خود شکر نے اس کے لیے رزق نہ کھینچ لیا ہو۔

الغرض ان کی بحث اس قدر بڑھی کہ سوال و جواب سے دونوں تھک گئے۔

پھر لومڑی نے کہا کہ خدا کا حکم موجود ہے کہ تم اپنے ہاتھوں آپ ہلاکت میں نہ پڑو۔ پتھریلے اور خشک جنگل میں صبر کرنا صریح حماقت ہے جب کہ خدا کا جہان بہت وسیع ہے۔ تم یہاں سے سبزہ زار میں منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ندیوں کے کنارے مزے مزے کا سبزہ چرو۔ ایسے سبزہ زار جو بہشت کی مانند ہیں اور اُن میں گھانس کمر کمر تک اُگی ہوئی ہے۔ وہ جانور بڑا خوش نصیب ہے جو وہاں چلا جائے۔ تو وہ ایسا مقام ہے کہ وہاں اونٹ بھی چھپ جاتا ہے۔ اِس سبزہ زار کے ہر طرف چشمے بہ رہے ہیں اور اس میں ہر جانور بالکل محفوظ اور خوش حال ہے۔

گدھے نے گدھے پن سے یہ نہ پوچھا کہ اے ملعون جب تو اسی جگہ کی رہنے والی ہے تو اس قدر کمزور کیوں ہے۔ تجھ میں مٹاپے اور خوش حالی کی کوئی بشاشت نہیں ہے اور یہ تیرا جسم دُبلا اور بے قرار کیوں ہو رہا ہے۔ اگر سبزہ زار کی تفصیل جھوٹ اور فریب نہیں ہے تو تیری آنکھوں میں اس کا خمار کیوں نہیں ہے۔ یہ بھک منگی آنکھ اور ندیدہ پن تیرے بھکڑ پن کی وجہ سے ہے امیری سے نہیں۔ جب تو چشمے سے چلی آرہی ہے تو خشک کیوں ہے اگر تو بہشت سے آئی ہے تو وہاں کا کوئی گلدستہ بطورِ تحفہ بھی لائی ہے۔ تو جو کچھ کہتی اور تفصیل وار بیان کرتی ہے خود تجھ میں تو اس کے آثار پائے نہیں جاتے۔

غرض گدھا چونکہ مقلّد تھا آخر کار لومڑی کے فریب میں آگیا۔ اس کی عقل و بصیرت میں ذاتی قوت نہ تھی۔ اس لیے لومڑی نے مکر و فریب سے اس کو خاموش کر دیا کھانے کی حرص نے اس کو اتنا ذلیل کیا کہ وہ سب دلیلیں بھی گرد ہو گئیں۔ لومڑی نے حیلے کے میدان میں قدم رکھا۔ گدھے کی ڈاڑھی پکڑی اور شیر کے آگے لے پہنچی۔ مگر ابھی وہ گدھا شیر سے دُور ہی تھا اور شیر بھی ہلنے جلنے سے معذور تھا کہ گدھے کے پاس آنے کا انتظار شیر نہ کر سکا اور بلندی پر سے ایک زور کی جست کی، حالانکہ اس میں اتنی بھی قوت نہ تھی کہ اپنی جگہ سے ہل سکے۔ گدھے نے دُور سے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً اُلٹے پانو بھاگا اور

اپنی پہاڑی کے دامن میں جاکر دم لیا۔ لومڑی نے شیر سے کہا کہ اے جہاں پناہ آپ نے عین موقع پر صبر سے کام نہ لیا۔ اتنی راہ بھی نہ دیکھی کہ وہ بے وقوف آپ کی دسترس میں آجاتا اور آپ ایک ہی حملے میں اس پر غالب آجاتے۔ جلدی اور تیزی شیطان کا مکر ہے۔ اور صبر و دلجمعی خدا کا فضل ہے۔ چونکہ وہ دور تھا آپ کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر بھاگ گیا۔ کسی کا کیا گیا آپ ہی کی کمزوری ظاہر ہوئی اور عزت خاک میں مل گئی۔ شیر نے کہا کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ شاید ذرا ظہورِ قوت مجھ میں باقی ہوگی لیکن میں اپنی اتنی کمزوری سے ناواقف اور اندھا تھا اور بات یہ بھی ہے کہ چونکہ بھوک اور شکار کی ضرورت حد سے زیادہ تھی اس لیے صبر اور عقل مارے بھوک کے بیکار ہو گئے۔ اگر ممکن ہو تو دوبارہ عقلمندی سے اسے یہاں تک لے آ۔ اور تو یہ کام کر سکے گی۔ مجھ پر تیرے بڑے بڑے احسان ہیں۔ اب کے ایک کوشش اور کر، شاید کہ تو چالا کی سے پھر لے آئے۔ اگر خدا اس گدھے کا رزق مجھے عطا فرمائے تو میں بہتیرے شکار تجھے بخشوں گا۔ لومڑی نے کہا بہت اچھا اگر خدا میری مدد کرے اور اس کے دل پر اندھیرے کی مہر لگا دے تو اس کے گدھے پن سے کچھ بعید نہیں کہ جو دہشت وہ دیکھ چکا ہے، اسے بھول جائے۔ لیکن جب میں اسے آپ کے پاس لانے لگوں تو جلدی نہ کیجیے گا کہیں آپ کی جلد بازی اِسے گزشتہ واقعہ یاد نہ دلا دے۔ شیر نے کہا ٹھیک ہے اب تو میں نے تجربہ کر لیا کہ میں بالکل بیمار ہوں اور سارے جوڑ بند ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ اب کے تو یہ کروں گا کہ جب تک گدھا بالکل میرے پاس نہ آجائے میں کان تک نہ ہلاؤں گا اور دم سادھے پڑا رہوں گا۔

اُدھر لومڑی پھر گدھے کی طرف لپکی اور خدا سے دعا کی کہ اے کارساز میری ایسی مدد کر کہ اس گدھے کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑ جائے۔ اِدھر گدھے نے جنابِ باری میں بڑی توبہ تلا کی کہ آیندہ کبھی کسی بدمعاش کے پھندے میں نہ پھنسے گا۔ مگر قضا کچھ

اور ہی کہہ رہی تھی۔ غرض لومڑی جھپا جھپ دوڑتی ہوئی گدھے کے پاس پہنچی۔ گدھے نے کہا تجھ جیسے دوست سے خدا پناہ میں رکھے۔ اری بے وفا! میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو مجھے شیر کے سامنے لے پہنچی۔ سوائے تیری بد باطنی کے تیرے اس کینے کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو بچھو کی سی ہائی ہوگئی کہ بے چھیڑے بے ستائے بھی پانو پر ڈنک مارتا ہے۔ یا شیطان کی سی حرکت ہے کہ ہم اس سے الاالله تک نہیں کہتے مگر وہ ہے کہ خواہ مخواہ ہماری جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

لومڑی نے کہا کہ میاں گدھے! وہ تو جادو کی ڈھٹ بندی تھی کہ تمہاری آنکھوں کو شیر دکھائی دیا ورنہ خود سمجھ سکتے ہو کہ میں تن و توش میں تم سے کہیں چھوٹی ہوں اور رات دن وہیں رہا کرتی ہوں۔ ساری دنیا ہاتھی اور گینڈے جیسے بھوکوں بڑ پیٹوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر ایسی ڈھیٹ بندی نہ ہوتی تو وہ سبزہ زار کیسے محفوظ رہتا۔ میں نے پہلے ہی چاہا تھا کہ تجھ کو جتا دوں کہ اگر ایسی کوئی ڈراونی شکل دکھائی دے تو ڈرنا نہیں لیکن تیری دلجوئی اور محبت میں اس قدر محو ہوگئی کہ یہ بات جتانی بھول گئی۔ میں نے دیکھا کہ تو بھوک کے مارے بے تاب اور بے بس ہو رہا ہے اس لیے جلدی جلدی دوڑاتی تجھے لا رہی تھی کہ تیری بھوک کا علاج ہو جائے ورنہ میں اس طلسمات کا راز تجھ پر ضرور کھول دیتی کہ وہ محض خیالی شکل ہے کوئی جسمانی شکل نہیں۔ میں اس ڈراونی مگر خوبصورت شکل کا حال تجھ پر ظاہر کرنا بھول گئی۔ گدھے نے کہا اری چل دُور ہو میرے سامنے سے۔ خدا تیری شکل پھر نہ دکھائے جس خدا نے تجھے بدنصیب بنایا ہے اسی نے تیرے بُرے چہرے کو مکروہ اور سخت کر دیا ہے۔ اب کونسا منہ لے کر میرے پاس آئی ہے۔ ایسا سخت چہرہ تو گینڈے کا بھی نہیں تو میرے خون اور جان کی علانیہ دشمن ہے۔ اب تو میں عزرائیل کی صورت دیکھ آیا ہوں پھر بھی تو مکر اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں یہاں آ پہنچی۔ چاہے میں گدھا ہوں یا

سب گدھوں سے ذلیل گدھا ہوں، جو کچھ بھی ہوں مگر جانور تو ہوں اور جان رکھتا ہوں۔ ایسے چال چکر میں کب آنے والا ہوں جیسی دہشت میرے دل پر ہوئی اگر بچہ دیکھ لیتا تو اُسی وقت بڈھا ہو جاتا۔ اس خوفناک نظارے نے چھکے چھڑا دیے اور میں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے سر کے بل اپنے کو نیچے گرا دیا آخر کار وہی احسان کرنے والا خدا یاد آیا اور میں نے عہد کیا کہ اب کے تو میرے پیروں کے بندھن کھول دے اس کے بعد کبھی کسی کے دھوکے میں نہ آؤں گا۔ اے مدد کرنے والے میں عہد کرتا ہوں اور یہی نذر کرتا ہوں۔ خدا نے اسی وقت اِن دعاؤں اور رونے پیٹنے سے میرے پاؤں کھول دیے اور بھاگ کر بچ نکلا ورنہ وہ شیر نر مجھے کھا جاتا۔ اے بد مصاحب! اسی شیر نے ازراہ مکر پھر تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔

لومڑی نے کہا ہمارے نتھرے پانی میں تلچھٹ کا نام نہیں لیکن وہم و بدگمانی کا علاج ہی کیا ہے۔ ارے بے وقوف یہ سب تیرا ہی وہم ہے۔ ورنہ میں تو نہ کوئی کھوٹ رکھتی ہوں اور نہ ارادہ فریب کا ہے۔ اپنے بُرے خیال کی عینک سے مجھے نہ دیکھ دوستوں سے بدظنی کیوں کرتا ہے۔ سچے اور سیدھے بھائیوں پر ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیے خواہ ان سے بظاہر کیسی ہی تکلیف پہنچے۔ جہاں بدگمانی اور بدخیالی پیدا ہوئی کہ دوستی دشمنی سے بدل گئی۔ اگر کوئی مہربان محبت کے امتحان کے لیے کوئی سختی کر بیٹھے تو عقلمند کو چاہیے کہ بدگمان نہ ہو اور میں تو ایسی بدفطرت بدنہاد نہ تھی کہ تو بدگمان ہو جاتا جو کچھ تو نے دیکھا وہ تو صرف ڈھٹ بندی تھی۔ گدھے نے بہتیری تردید کی اور اسے دفان کرنا چاہا لیکن بھوک بیتاب کیے دیتی تھی۔ انجام کار حرص غالب آئی اور صبر جاتا رہا۔ روٹی کی ہوس نے کتنے گلے کٹوا دیے ہیں یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ محتاجی کا کفر تک پہنچ جانا ممکن ہے۔ چونکہ گدھا بھوک کا شکار ہو رہا تھا اس نے اپنے جی میں کہا کہ اگر لومڑی مکر ہی کر رہی ہے تو چلو ابھی سے

آپ کو مردہ سمجھ لو۔ اس بھوک کے صدمے سے تو جان بچے۔ اگر زندگی یہی ہے تو مر جانا ہی بھلا۔ اگرچہ گدھے نے پہلے بہت توبہ تلا کی تھی اور قسمیں کھائی تھیں لیکن اپنے گدھے پن سے حماقت میں مبتلا ہو گیا۔ حرص آدمی کو اندھا، احمق اور بے وقوف بنا کر موت کو اس پر مہار کر دیتی ہے۔ گدھوں کو موت آجانی بہت آسان ہے کیونکہ وہ اپنی روح میں کوئی دوامی زندگی نہیں رکھتے۔ آخر کار اس گدھے کو بہلا پھسلا کر لومڑی دوبارہ شیر کے سامنے لے گئی اور اس نے چیر پھاڑ کے برابر کر دیا۔ اس شکار کی محنت سے وہ درندوں کا بادشاہ جو پیاسا ہوا تو ایک چشمے پر پانی پینے گیا۔ لومڑی کو موقع فرصت کا ہاتھ آیا تو اس نے فوراً گدھے کا دل و جگر کھا لیا۔ شیر نے چشمے سے واپس آکر جو دیکھا تو نہ دل تھا نہ جگر۔ لومڑی سے پوچھا کہ اس کا دل و جگر کیا ہوا کیونکہ کوئی جانور ان دو سے خالی نہیں ہوتا۔ لومڑی نے عرض کی کہ جہاں پناہ! اگر اس کے دل و جگر ہوتا تو دوبارہ یہاں کیسے آتا۔ اس نے وہ قیامت اور دار و گیر دیکھی تھی اور وہ پہاڑ سے گر پڑنا اور وہ دہشت اور بھاگڑ کی مصیبت بھگتی تھی اگر اس کے دل و جگر ہوتا تو آپ کے سامنے دوبارہ کیسے آتا۔

دوستو! جس دل میں نور نہ ہو وہ دل ہی نہیں اور جس میں روح نہ ہو وہ بالکل مٹی ہے۔

۱۲۔ ایک سقّے کے گدھے کا گھوڑوں کا ساز و سامان دیکھ کر حرص کرنا

ایک حکایت میرے والد نے بطور نصیحت ایک دن مجھ سے فرمائی کہ ایک سقہ کا گدھا تھا۔ بوجھ ڈھوتے ڈھوتے اس کی کمر دُہری ہو گئی تھی۔ اس کی پیٹھ میں دس جگہ

زخم تھے اور ہر وقت اپنی موت کا خواہشمند رہتا تھا۔ جَو تو اُسے کہاں نصیب، سوکھی گھانس بھی پیٹ بھر نہ ملتی تھی۔ اس کے بدلے لوہے کی سیخ کے کچوکوں سے چوتڑ زخمی ہو گئے تھے۔ سالوتری نے دیکھ کر اس پر بہت رحم کھایا کیونکہ وہ گدھے کے مالک کا دوست تھا۔ اس نے سقے کو سلام کیا اور پوچھا کہ میاں تمھارا گدھا تو بڑھیا کی طرح دُہرا ہو گیا۔ سقے نے کہا کہ بھائی! میری مفلسی ہے کہ اس بے مُنہ کے جانور کے کھانے کو جَو نصیب نہیں۔ اس نے کہا تم چند روز اسے میرے حوالے کرو تاکہ بادشاہی اصطبل میں خوب کھا کر موٹا تازہ ہو جائے سقے نے وہ گدھا اس کے حوالے کر دیا اور اس نے بادشاہی اصطبل میں لے جا کر باندھ دیا۔ گدھے نے دیکھا کہ ہر طرف عربی گھوڑے بڑے ساز و سامان کے ساتھ موٹے تازے چمکیلے رنگ کے بندھے ہیں۔ اُن کے تھانوں کی زمین خوب جھڑی جھڑائی، پانی چھڑکی ہوئی ہے۔ گھانس اور جَو اپنے وقت پر دیا جاتا ہے۔ اِن گھوڑوں کو کھریرہ اور مالش ہوتے دیکھ کر تھوتھنی اونچی کی اور خدا سے یہ فریاد کی کہ اے رب کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں یہ مانا کہ میں گدھا ہوں لیکن کس وجہ سے بُرے حال پیٹھ زخمی اور دُبلا ہو رہا ہوں یہ گھوڑے تو ایسے کرو فر سے رہیں اور میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس مصیبت اور آزمائش میں پھنسا رہوں ؛ ناگہاں جنگ و جدل کا شور اٹھا اور گھوڑوں پر زین کَسنے اور جنگ پر لے جانے کا وقت آ گیا۔ اِن گھوڑوں نے دشمن کے تیروں کے زخم کھائے اور اُن کا سارا جسم تیر کے پیکانوں سے چھلنی ہو گیا۔ جنگ سے وہ گھوڑے واپس آئے اور لمبے لمبے لیٹ گئے۔ ان کے پانْو نواڑ سے باندھ کر نعلبند قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔ ان کے جسم چیر چیر کر تیروں کے پھل نکال لیتے تھے تاکہ زخموں کو صاف کریں ؛ جب گدھے نے یہ حال دیکھا تو کانپ گیا اور خدا سے عرض کی کہ میں اس محتاجی اور سلامتی میں خوش ہوں۔ اس ساز و سامان سے جس میں ایسے زخم

کھانے پڑیں، میں باز آیا۔

۲۲۔ ایک زاہد کا توکّل کی آزمایش کرنا

ایک زاہد نے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُنا کہ چاہے تو رزق طلب کرے چاہے نہ طلب کرے وہ تیرے پاس دوڑا آتا ہے آزمایش کرنے کو یہ شخص ایک پہاڑ کے دامن میں جاکر سو رہا کہ دیکھوں رزق کیونکر آتا ہے۔ اتفاق سے ایک کارواں راستہ بھول کر اُدھر آنکلا اور پہاڑ کے دامن میں اُسے پڑا ہؤا دیکھا۔ اہلِ کارواں نے کہا کہ یہ شخص بالکل بے سروسامان اس پُرخار جنگل میں راستے اور شہر سے دُور کیسے پڑا ہے۔ بڑا تعجب ہے کہ اس کو نہ بھیڑیے کا خوف ہے نہ کسی دشمن کا۔ خدا ہی جانے زندہ ہے کہ مردہ۔ قریب آکر بہتیرا جگایا مگر وہ جان کر نہ اٹھا۔ نہ اپنی جگہ سے ہلا نہ سر ہلایا۔ بلکہ آزمایش کے شوق میں آنکھ تک نہ کھولی یہ حال دیکھ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ غریب بڈھے کو مارے بھوک کے سکتہ ہوگیا ہے۔ روٹی اور دیگچی میں سالن لائے تاکہ نوالے اس کے منہ میں رکھیں اور حلق میں اُتار دیں۔ اس شخص نے بالارادہ اپنے دانت بِچّی کر لیے تاکہ حضرتؐ کے قول کی سچائی کو کسوٹی پر کسے۔ ان لوگوں کو اور بھی رحم آیا اور کہنے لگے کہ یہ تو بالکل دم توڑ رہا ہے۔ بھوک سے قریب مرگ ہو چکا ہے۔ ایک چُھری لائے اور اس کو اڑا کر بتّیسی کو کھولا۔ اُس کے حلق میں شوربا ڈالتے تھے اور روٹی کے ٹکڑے چور چور کر کھلاتے تھے۔ اس نے اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے دل اگرچہ میں جسم کو بے حس کیے پڑا ہوں مگر تجھے تو بھید معلوم ہوگیا۔ دل نے کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں اور یہ میں نے اس لیے آزمایش کرائی کہ تو کبھی توکّل سے منہ نہ موڑے حرص کرنا تو بالکل گدھاپن ہے۔

اس کے بعد اس مسکین نے زبان کھولی اور کہا کہ میں نے اب رزق کی پوری آزمائش کرلی۔ جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ بالکل سچ ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

۲۳- ایک شخص کا کسی کے گھر میں اس خوف سے گھُس جانا کہ گدھے پکڑے جارہے ہیں

ایک شخص مارے خوف کے کسی کے گھر میں گھس گیا۔ زرد چہرہ اُڑ دے ہونٹ اور منہ فق تھا۔ صاحب خانہ نے پوچھا خیر تو ہے، تیرے ہاتھ بید کی طرح کیوں کانپ رہے ہیں۔ کیا بات ہے کیوں بھاگ آیا۔ تیرے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ کہنے لگا ظالم بادشاہ کی بیگار میں آج گدھے پکڑے جارہے ہیں اُس نے کہا اے بھائی! گدھوں کو پکڑ رہے ہیں۔ جب تو گدھا نہیں تو تجھے کاہے کا ڈر ہے۔ اس نے کہا بادشاہی پیادے بہت سختی کر رہے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑ رہے ہیں۔ اگر مجھے بھی گدھا بنا ڈالیں تو کوئی عجب نہیں وہ گدھے پکڑنے تو نکلے ہیں لیکن سختی اُن کی اس قدر حد سے بڑھ گئی ہے کہ تمیز جاتی رہی ہے چونکہ حکومت بے تمیزوں اور نادانوں کے ہاتھ میں ہے اس لیے ممکن ہے کہ بجائے گدھے کے گدھے کے مالک ہی کو پکڑے جائیں۔

۲۴- ایک راہب کا دن دہاڑے شمع لیکر آدمی کی تلاش میں پھرنا

ایک شخص دن دہاڑے شمع لے کر بازاروں کے چکّر لگا رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اے شخص یہ تو ہر دکان پر کسے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ تو دن کے اُجالے میں جو چراغ لے کر ہر طرف گھورتا ہے

تو بھلا یہ بھی کوئی نذاق ہے۔ اس نے کہا کہ میں اِنسان کی جستجو میں ہوں مگر وہ کہیں نہیں ملتا اس لیے مایوس ہی جاتا ہوں۔ ایک شخص نے یہ باتیں سن کر کہا کہ اجی حضرت! دیکھیے۔ اس بازار میں تو اس قدر آدمی معلوم ہوتے ہیں کہ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں اس مرد کو ڈھونڈ رہا ہوں جو غصّے اور حرص کے موقع پر قابو میں رہے، جس کی مردانگی ان دونوں حالوں میں بھی قائم رہے۔ وہ دنیا میں کہاں ہے جس پر میں اپنی جان صدقے کر ڈالوں۔ اُس نے جواب دیا کہ تو بہت کمیاب چیز کو ڈھونڈتا ہے لیکن تو حکم خدا سے غافل ہے۔ تو فرع کا دیکھنے والا ہے اور اصل کی خبر نہیں رکھتا یعنی ہم فرع ہیں اور اصل تو قضا و قدر کے احکام ہیں۔ جب تو پن چکی کے پاٹ چلتا دیکھتا ہے۔ تو اس کے نیچے ندی کے پانی کو بھی دیکھ۔ خاک تو اُڑتے ہوئے دیکھ لیا، اس خاک کے درمیان کی ہوا کو بھی تو دیکھ۔ فکر کی دیگوں کو اُبلتے اور جوش کھاتے ہوئے دیکھتا ہے، ذرا عقل و ہوش کے ساتھ آگ پر بھی تو غور کر۔

۲۵۔ چور اور کوتوال

ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ اے سردار! میں نے جو کچھ کیا وہ خدا کا حکم تھا۔ کوتوال نے کہا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں وہ بھی حکم حق ہے۔ اگر کسی دوکان سے کوئی مُولی چرائے تو یہ حکم الٰہی سے چُرائی اور جب اُس کے سر پر دو تین گھونسے لگائے جائیں تو یہ بھی حکم الٰہی سے ہے، اسے بھی لے۔

تمثیل

ایک شخص درخت پر چڑھ کر چوری سے میوہ توڑنے لگا۔ مالک آیا اور کہنے لگا کہ ارے بے شرم یہ کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر خدا کے باغ سے خدا کا بندہ

کھجور کھائے جو خُدا نے عطا کی ہو تو اِس پر تو ملامت کرنے والا کون ہو۔ تو اس بے پروا خدا کی دولتِ بے زوال میں بھی بخل کرتا ہو۔ مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ ذرا رسّی تو لا تاکہ اس نیک مرد کو جواب دوں۔ رسی آئی اور مالک نے چور کو درخت سے باندھ کر پیٹھ اور چوتڑوں پر مارنا شروع کیا۔ چور نے کہا ارے خدا سے شرم کر تو مجھے مارے ڈالتا ہو۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی لکڑی سے یہ بندہ خدا کے دوسرے بندے کی پیٹھ پر مار رہا ہو۔ یہ لکڑی بھی حق کی ہو اور میں بھی خدا ہی کے حکم کا غلام ہوں۔ آخر اِس چور نے کہا کہ میں نے جبر سے توبہ کی، بے شک آدمی کو حق حاصل ہو۔

۲۶۔ ایک درویش کا عمید خراسانی کے غُلاموں کو دیکھ کر خُدا کو طعنہ دینا

شہر ہرات میں ایک مردِ گستاخ نے وہاں کے امیر کے غلاموں کو اطلس کا لباس پہنے، کمر سے زرّین پٹکے باندھے دیکھا تو آسمان کی طرف سر اونچا کیا اور کہا کہ اے خدا! ایسے احسان کرنے والے امیر سے غلام کی نگہداشت کرنا تو کیوں نہیں سیکھتا۔ اے خُدا تو غُلاموں کی پرورش کرنا عمید سے سیکھ جو ہمارے شہر کا والی ہو۔

وہ مردِ گستاخ، بالکل محتاج ننگا اور بے سروسامان تھا اور جاڑے کی سرد ہوا میں کانپ رہا تھا۔ اس بے خود نے جُہل کی۔ وجہ یہ کہ اس کو ہزار ہا بخششوں پر اعتماد تھا کیونکہ اہلِ معرفت حق کے آس پاس رہتے ہیں۔ اگر کوئی بادشاہ کا مقرّب گستاخی کرے تو تو اُس کی تقلید نہ کر کیونکہ تو مقرّب نہیں ہو۔

اب سُنیے ایک دن بادشاہِ وقت نے اِس والی پر تہمت لگائی اور ہاتھ پیر

باندھ کر قید کر دیا۔ اُن خوش لباس غلاموں کو بھی شکنجوں میں کھینچ کر حکم دیا کہ اپنے مالک کے سارے بھید مجھے سُناؤ ورنہ تمھارا حلق چیر کر زبان کھینچ لوں گا۔ کامل ایک ماہ تک اِن غلاموں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور مار مار کے ان کے ٹکڑے اڑا دیے مگر کسی غلام نے امیر کا راز بیان نہ کیا۔ تب اِس گستاخ درویش کے خواب میں ایک فرشتہ نے کہا کہ اے شخص تو نے خدا کو آقائی کرنی سکھائی تھی، ذرا غلام بننا بھی سیکھ لے۔

۲۷۔ حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک مُسلمان کا آتش پرست کو دعوتِ اسلام دینا

حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک معزز آتش پرست تھا۔ ایک نیک مسلمان نے اُس سے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو کیا اچھا ہو کہ تو نجات بھی پائے اور سرداری بھی حاصل ہو جائے۔ اس نے کہا کہ اگر ایمان یہی ہے جو شیخ بایزیدؒ کا ہے تو مجھے اس کی تاب و طاقت نہیں کہ وہ میری جان کی برداشت سے باہر ہے۔ اگرچہ میں مسلمان نہیں لیکن بایزیدؒ کے ایمان کا قایل ہوں۔ مجھے ایمان ہے کہ وہ جملہ بنی آدم سے افضل ہے اور نہایت پاک، باہمت و باشوکت ہے۔ میں اپنے دل میں اس کے ایمان پر عقیدت رکھتا ہوں، اگرچہ میرے مُنہ پر سخت مہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم ایسے ایمان کی جیسا کہ تمھارا ہے، دعوت دیتے ہو تو مجھے نہ ایسے ایمان کی طرف کشش ہے نہ خواہش۔ اگر کسی کو ایمان کی طرف رغبت بھی ہو تو تم کو دیکھ کر جاتی رہے کیونکہ وہ تم میں ایمان کا صرف نام ہی دیکھے گا، اصلیت کا پتہ نہ پائے گا۔

۲۸۔ بدآواز موذن کا کافرستان میں اذان دینا

یہ حکایت سنو۔ ظاہری قصے کو چھوڑ کر اس کے نتیجے پر غور کرو۔ ایک موذن بہت بد آواز تھا۔ اور ہر رات اپنا حلق چیرا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سننے سننے لوگوں کے سر میں درد ہو جاتا تھا۔ ایک طرف بچے اپنے بچھونوں میں اُس کی آواز سُن کر اُچھل اُچھل پڑتے تھے۔ دوسری طرف عورت و مرد کی جان اُس کی کرخت آواز سے ضیق میں تھی۔ اس زحمت اور تکلیف کو دُور کرنے کے لیے لوگ آپس میں چندہ کرنے جمع ہوئے۔ موذن کو طلب کر کے سب نے اپنے اپنے چندے دیے اور کہا کہ تیری آواز سے ہم نے بہت راحت پائی۔ دن رات کی اتنی ہی مہربانی کافی ہے۔ اب زبان بند کر اور اس کے بدلے میں یہ چندہ حاضر ہے، اسے لے جا۔ ایک قافلہ حج کو جا رہا تھا۔ یہ موذن بھی اپنی چندے کی پوٹلی باندھ اس کے ساتھ ہو لیا۔ اتفاق سے اسی رات قافلہ کافروں کی کسی بستی میں ٹھیرا۔ وہ موذن تو اپنی آواز کا عاشق تھا ہی۔ اس نے اذان دینی شروع کر دی۔ چند آدمیوں نے منع بھی کیا کہ مبادا مقامی قبیلوں سے جنگ و عداوت پیدا ہو جائے لیکن اس نے ہیکڑی کر کے بالکل ہی کھڑی آواز سے کافرستان میں اذان دی۔ لوگ ڈر رہے تھے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو کہ اتنے میں ایک کافر ہاتھ میں شمع لیے، حلوے کا ایک طبق اور ایک نفیس کپڑوں کا جوڑا تحفہ لایا اور قافلے میں دوستوں کی طرح داخل ہوا۔ ایک ایک سے پوچھتا تھا کہ وہ موذن کہاں ہے جس کی آواز سے راحت پہنچی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسی بھیانک آواز سے کیا راحت پہنچی ہو گی اُس نے کہا کہ میری ایک اکلوتی لڑکی ہے بہت نازک اندام اور خوب صورت اس کو مسلمان ہو جانے کی بہت آرزو تھی۔ یہ سودا اس کے سر سے کسی طرح نہ جاتا تھا۔

کتنے ہی کافروں نے نصیحتیں کیں لیکن بے سود ہوئیں۔ اس کے دل پر ایمان کی لہر اُٹھ آئی تھی اور اس کے دین بدلنے کے خوف سے میں ہمیشہ پریشان اور دردمند رہتا تھا۔ اس کو سمجھاتے سمجھاتے میں بالکل ہار چکا تھا۔ یہاں تک کہ آج اِس مؤذن نے آواز دی۔ لڑکی نے سن کر کہا۔ یہ نکردہ آواز کیا ہی جو چاروں طرف سے میرے کانوں میں آرہی ہی، میں نے ساری عمر میں ایسی کرخت آواز نہ کسی مندر میں سُنی نہ کسی آتش کدے میں۔ اُس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی آواز ہی مسلمانوں میں نماز کی اطلاع دینے کا یہی طریق ہی۔ اس کو اعتبار نہ ہوا تو دوسرے سے دریافت کیا۔ اس نے بھی تصدیق کی۔ جب اس کو یقین ہوگیا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور مسلمانی سے اس کا دل ہٹ گیا۔ میں اپنی لڑکی کے تبدیل مذہب کے خوف سے محفوظ ہوگیا اور اس شکریے میں یہ تحفہ لایا ہوں۔ وہ مؤذن کہاں ہی؟ جب اُسے دیکھا تو کہا یہ تحفہ لیجیے آپ تو میرے محسن اور دستگیر ہیں۔ آپ نے مجھ پر وہ احسان کیا ہی کہ تمام عمر کو غلام ہوگیا۔ اگر میرے پاس مال اور ملک اور حکومت ہوتی تو آپ کا مُنہ اشرفیوں سے بھر دیتا۔

۲۹۔ ایک عورت کا گوشت کھا جانا اور کہنا بلّی نے کھایا ہی

ایک شخص کی بیوی تھی بڑی چال باز اور چٹور۔ میاں جو کچھ گھر میں لاتا بیوی تلپٹ کر دیتی اور مرد کو سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک دن وہ بے چارہ توڑی کوشش و تردّد سے مہمان کے واسطے گوشت لایا۔ عورت نے کباب کرکے سب چٹ کر لیا۔ جب میاں آیا اور کہا کہ مہمان آپہنچا وہ گوشت کہاں ہی۔ مہمان کے آگے اس کے کوفتے بنا کر رکھنا ہی۔ عورت نے کہا کہ گوشت تو یہ بلّی کھا گئی اگر تجھے

غرض ہی تو اور گوشت خرید لا ۔ میاں نے غلام سے کہا کہ ذرا ترازو تو لا کہ اس بلّی کو تولوں ۔ جب تولا تو وہ کوئی چار سیر تُلی ۔ اس وقت میاں نے کہا کہ مکّارہ خام پارہ گوشت تو چار سیر سے بھی زیادہ تھا اور بلّی کُلّھم چار سیر کی ہی اب اگر یہ بلّی ہی تو گوشت کہاں ہی اور اگر یہ گوشت ہی تو بلّی کہاں گئی ۔

۳۰ ضیائے بلخی کا شیخ الاسلام تاج کے باب میں ایک لطیفہ

ضیائے بلخی صاحبِ الہام بزرگ تھے اور اُن کے بھائی تاج شیخ الاسلام تھے۔ طلب علم میں ایک کثیر جماعت ان کے پاس درس لینے کو ہر وقت حاضر رہتی تھی تاج دار السلطنت بلخ کے شیخ الاسلام اور بہت ہی ٹھگنے قد کے تھے ۔ تاج بڑے فاضل اور صاحب ہنر تھے اور ضیاء ظرافت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے لیکن شیخ الاسلام کی طبیعت میں تبختر بھی تھا ۔ اور اپنے بھائی ضیاء سے ان کو شرم آتی تھی، اگرچہ ضیاء بھی صاحبِ ارشاد و اعظ تھے ۔ ایک دن شیخ الاسلام کے دربار میں بڑے بڑے قاضی، مفتی اور علماء جمع تھے کہ ضیاء بھی آن پہنچے ۔ شیخ الاسلام نے بڑی نخوت و تمکنت سے ان کو نصف تعظیم دی ۔ ضیاء نے جو ایسا غرور دیکھا اور بھری محفل میں عزت کرکری ہونے کی وجہ سے کسی قدر شرم آئی تو کہنے لگے کہ تم بے حد لمبے تھے ۔ تبرک کے طور پر کچھ درازی سرو چرا لے گیا اس لیے پورے قد سے کھڑے ہونے میں شرماتے ہو۔

۳۱ ۔ مسخرے کا شاہ ترمذ کو شطرنج میں مات دینا

بادشاہ ایک مسخرے کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا ۔ مات جو ہوئی تو بادشاہ کو

غصّہ آگیا اور شہ شہ کہ کر شطرنج کا ایک ایک مُہرہ مسخرے کے سر پر مارنا شروع کیا اور کہنے لگا ارے بے حمیت لے یہ شہ۔ مسخرے نے صبر کیا اور معافی مانگنے لگا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک بازی اور کھیلنے کا حکم دیا۔ وہ مسخرہ اس قدر لرزہ رہا تھا جیسے سخت جاڑے میں ننگا کانپتا ہی دوسری بازی بھی بادشاہ ہار گیا اور پھر شہ مات کہنے کا وقت آیا۔ تب وہ مسخرہ وہاں سے اُٹھ کر ایک کونے میں گیا اور مُہروں کی چوٹ سے بچنے کے لیے کئی لحاف اور توشک اپنے اوپر ڈال لیے۔ بادشاہ نے کہا۔ ہائیں ہائیں، ارے یہ کیا کر رہا ہی۔ اُس نے کہا کہ اے شاہ عالی جاہ اب آپ کو شہ مات دیتا ہوں۔ تجھ جیسے غصیل سے چُھٹ سے لحاف میں چھپے بغیر سچی بات کیونکر کہی جاسکتی ہی۔ اے بادشاہ تجھے پھر مات ہوگئی اور مَیں تیری چوٹوں سے بچ کر تجھے شہ کہتا ہوں۔

۳۲۔ ایک صوفی کا حریف کو آنکھیں نکالتا دیکھ کر بے ہوش ہوجانا

ایک صوفی لشکر کے ساتھ جنگ پر گیا۔ وہاں یکایک دشمن کے حملے اور ردّ و بدل جنگ کی آوازیں جو آئیں تو صوفی اپنی جھولی کو لیے خیمے ہی میں رہ گیا اور شہسوار صف جنگ میں جا پہنچے۔ جو لوگ اپنے جسم سے بوجھل تھے وہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور جو آگے بڑھنے والے تھے وہ آگے بڑھ گئے۔ اہلِ لشکر جنگ کر کے فتحمند واپس ہوئے اور بہت سا گراں بہا مالِ غنیمت ساتھ لائے۔ انھوں نے ایک تحفہ صوفی کو دیا مگر صوفی نے اٹھا کے پھینک دیا اور کچھ نہ لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ

حضرت، آخر اس خفگی کا سبب کیا ہے۔ کہا میں جنگ سے محروم رہ گیا اور معرکۂ جنگ میں شریک ہو کر کسی سے دو بدو نہیں لڑا۔ لوگوں نے کہا اچھا ہم ایک قیدی ساتھ لائے ہیں تم اسے لے کر قتل کر دو۔ اگر تم اس کا سر تن سے جدا کر دو گے تو تم بھی غازی ہو جاؤ گے۔ اس بات سے صوفی ذرا خوش ہوا اور دل قوی ہو گیا، کیونکہ اگرچہ پانی سے وضو کرنے میں سو طرح پاکیزگی اور نورانیت ہے مگر جہاں پانی نہ ملے تو تیمّم ہی کرنا پڑتا ہے۔ القصّہ صوفی اس گرفتار قیدی کو اپنے خیمے کے پیچھے لے گیا تاکہ اس سے جنگ کرے۔ صوفی کو وہاں بہت دیر ہو گئی۔ لوگوں نے کہا کہ تعجب ہے نہ معلوم اس فقیر پر کیا گزری۔ اس کافر کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اس کا مار ڈالنا بات ہی کیا تھی۔ اس کے قتل کرنے میں اتنی دیر کی کیا وجہ ہے ایک آدمی اٹھ کر دیکھنے جو گیا تو دیکھتا ہے کہ صوفی نیچے ہے اور کافر اس پر چڑھا بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں مگر غلبہ پا کر صوفی کا گلا دانتوں سے کاٹ رہا ہے اور صوفی بالکل بے ہوش نیچے پڑا ہوا ہے۔ اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے بلّی کی طرح بغیر کسی ہتھیار کے اس کا حلق زخمی کر دیا تھا اور اس کی داڑھی فقیر کے خون سے رنگین تھی۔ غازیوں کو یہ دیکھ کر بڑی غیرت آئی اور اُسی وقت اس کافر کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ صوفی کو ہوش میں لانے کے لیے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکا۔ صوفی ہوش میں آیا تو ایک مجمع کو اپنے اطراف پایا، لوگوں نے پوچھا کہ توبہ توبہ اے بزرگ یہ کیا واقعہ ہے۔ تم کس وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ حیرت ہے کہ ہاتھ بندھے ہوئے ادھ موئے قیدی سے بھی تم مغلوب ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صوفی نے کہا کہ جب میں نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس مردود نے عجب طرح سے مجھے دیکھا۔ پہلے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا اور پھر آنکھیں اس بُری طرح سے پھیریں کہ میرے ہوش جاتے رہے۔ جوں جوں اس کی

آنکھیں بھر رہی تھیں مجھے ایک بہت بڑا لشکر سامنے دکھائی دے رہا تھا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نظارہ کس قدر بھیانک تھا۔ قصہ کوتاہ میں ان آنکھوں کو دیکھ کر اس قدر بے قابو ہوگیا کہ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ بس تم تو باورچی خانہ اور خانقاہ میں رہا کرو تاکہ دوبارہ فوج میں رسوائی کی نوبت نہ آئے جب تم ایک ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے آنکھ دکھانے سے ایسے ڈوبے کہ تمہاری کشتی تک کے ٹکڑے اڑ گئے تو ایسی آنکھ والوں سے تم جنگ کیسے کرسکتے ہو۔

۳۳۔ خلیفۂ مصر کا امیر موصل کی لونڈی کو غصب کرلینا

ایک مخبر نے خلیفۂ مصر سے عرض کیا کہ امیر موصل کے پاس ایک کنیز ہے تمام عالم میں اس کے حُسن کا جواب نہیں۔ اُس کے حُسن کی تعریف بیان میں نہیں آسکتی۔ اس مرقع میں ایک ہلکا سا عکس اس کے حُسن کا موجود ہے۔ بادشاہ نے جونہی کہ مرقع میں اس کی تصویر دیکھی ہوش جاتے رہے۔ اسی وقت ایک پہلوان کو بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مصر کی سمت روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر وہ اس ماہ پارہ کو تیرے حوالے نہ کرے تو اس کے علاقے کو اُلٹ پلٹ کردے اور اگر دیدے تو اُسے چھوڑ دے اور اس ماہ پارہ کو یہاں لے آ۔ وہ پہلوان بڑے کروفر کے ساتھ ہزاروں رستموں اور طبل وعلم کے جُھرمٹ میں موصل کو روانہ ہوا۔ جس طرح کہ ان گنت ٹڈیاں کھیتوں کو لپٹ جاتی ہیں اسی طرح یہ فوج اہلِ موصل کی ہلاکت پر کمربستہ ہوگئی۔ ایک طرف سے تیروں کی دوسری طرف منجنیق کے پتھروں کی بوچھاڑ کردی اور تیسری طرف تلواریں کوندتی ہوئی بجلیوں کی طرح سونت سونت کر پل پڑے۔ ہفتہ بھر سخت خونریزی کی امیر موصل نے جب لڑائی کی صورت بگڑتی ہوئی دیکھی تو اندرونِ شہر سے ایک

سفیر روانہ کیا کہ اِن مسلمانوں کی خونریزی سے تیرا مقصد کیا ہی جو جنگ میں روزانہ مارے جا رہے ہیں ۔ اگر تیری نیت ملک موصل اور اُس کے دار السلطنت پر ہی تو بغیر جنگ کے بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہی ۔ میں اُس طرف سے شہر کے باہر چلا جاتا ہوں اور تو اُدھر سے داخل ہو جا ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اِن مظلوموں کا خون تیرا دامن گیر ہو اور اگر تیرا منشا ، موتی اور سونا چاندی سے ہی تو یہ چیز ملک و شہر دینے سے بھی زیادہ آسان ہی ۔ تجھے جتنا سونا چاندی مطلوب ہو وہ میں بھیجے دیتا ہوں ۔ جب سفیر اس پہلوان کے پاس پہنچا تو پہلوان نے کہا کہ مجھے ملک چاہیے نہ مال میں تو ایک صاحب جمال چاہتا ہوں ۔ وہ مرقع جس میں حسینہ کی تصویر تھی دے دیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جا اور صاف صاف بیان کر دے کہ یہ جس کی تصویر ہی اُس کو جلدی روانہ کر دو بس تمھارے ملک اور تمھاری جانوں سے پھر ہم کو کوئی سروکار نہیں ۔ ورنہ میرے قہر و غضب کو تم جانتے ہی ہو سفیر نے واپس آکر سب حال عرض کیا وہ مرقع دیا اور حکم بھی سُنا دیا ۔ امیر کی مردانگی دیکھو اُس نے کہا کہ میں ایمان کے عہد میں بت پرستی جائز نہیں رکھتا ۔ لہٰذا یہ بت اسی بت پرست کے پاس رہنا زیادہ مناسب ہی ۔ کافی مال و منال کے ساتھ اس لونڈی کو شاہی لشکر گاہ تک لے جا کر حوالے کر دیا ۔

اب سُنیے کہ جب اس پہلوان نے کنیز کی صورت دیکھی تو خود ہزار جان سے عاشق و فریفتہ ہو گیا ۔ موصل سے واپس راستہ طے کر رہا تھا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں منزل کی ۔ اس کے عشق کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ زمین اور آسمان میں تمیز نہ کر سکتا تھا ۔ کنیز کے خیمے میں گھس گیا ۔ بھلا اس حالت میں عقل کہاں اور خلیفہ کا خوف کیسے رہتا ہی ۔ جب اس جنگل میں خواہش اپنی چنگاریاں پھینکتی ہی تو عقل کو کانٹوں کی طرح جلا ڈالتی ہی، اس وقت اس کی آگ کے آگے

سو خلیفہ بھی ہوں تو بکّھی سے کمتر ہوتے ہیں۔ لیکن عین مستی کی حالت میں یکایک شور و غوغا لشکر سے اٹھا۔ پہلوان نیم برہنہ تلوار کھینچے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا شیر جنگل کی طرف سے حملہ آور ہوا ہے۔ عربی گھوڑے آسیب زدوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے ہیں اور سارے طویلے اور خیمے اوندھے ہوئے ہیں۔ وہ شیر دڑوک کر موجِ دریا کی طرح ہوا میں گزوں اونچا اچھل رہا تھا مگر یہ پہلوان بھی بڑا بہادر اور نڈر تھا شیر کے سامنے شیر ہی کی طرح آیا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے کر دیے اور پھر فوراً ہی اپنی معشوقہ کے خیمے میں آیا۔ ایسے مہیب شیر سے مقابلہ کیا پھر بھی اس کی مستی کم نہ ہوئی اور وہ کنیز بھی اس کی مردانگی کو دیکھ کر تعجّب میں رہی۔

چند روز عاشقی کی یہی لَے چلتی رہی۔ اس کے بعد پہلوان اپنے سنگین جرم پر پشیمان ہونے لگا۔ کنیز کو قسمیں دیں کہ چودھویں رات کے چاند! اس واقعے کی خبر کہیں بادشاہ کو نہ ہو جائے۔ اس کا خیال رکھنا۔ اس قسما قسمی کے بعد کنیز کو لے کر بادشاہ کے حضور میں گیا۔ جونہی بادشاہ نے اس لونڈی کو دیکھا وہ بھی قبضے سے باہر ہو گیا۔ کنیز کا وصف جس قدر سُنا تھا، اس سے زیادہ دیکھا۔ بھلا دیکھا دیکھی سُنا سُنی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ غرض محل میں فوراً داخل کیا۔ لیکن جب خلوت میں اس کے پاس گیا تو اتفاق سے چوہے کے کاغذ کترنے کی آواز اس کے کان میں آئی۔ اسے یہ وہم گزرا کہ یہ سرسراہٹ سانپ کی نہ ہو جو تیزی سے فرش پر چل رہا ہے۔ کنیز نے جو دیکھا کہ بادشاہ کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا تو اس پر ہنسی اس قدر غالب آئی کہ بہت دیر تک ہنستی رہی اور بہتیری کوشش کی مگر بند نہ ہوئی۔ بھنگڑوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی نفع و نقصان سب پر غالب آئی۔ جس قدر اس پہلوان کا واقعہ یاد کرتی تھی اسی قدر ہنسی بڑھتی

جاتی تھی۔ اُس کی ہنسی ایسی تھی جیسے کہ کسی نہر کا دہانہ کھل گیا ہو۔ جب کسی عنوان اُس کی ہنسی رکی نہیں تو خلیفہ غضب آلود ہو گیا۔ فوراً نیام سے تلوار نکالی اور کہا کہ اے پلید اس ہنسی کا سبب جلد بیان کر۔ میرے دل میں اس ہنسی سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ سچ کہ بات بنانے نہ دوں گا اگر تو غلط بیانی سے مجھے دھوکا دیگی یا بہانہ بازی سے مجھے دڑبڑائے گی تو یاد رکھ میں اصل واقعہ جان لوں گا۔ بادشاہوں کے دل میں ایک بڑا چاند روشن رہتا ہے، اگرچہ کبھی کبھی غفلت کے بادل میں چھپ جاتا ہے۔ مگر وہ بادشاہی فراست اس وقت میرے ساتھ ہے۔ اگر تو سچ سچ نہ کہے گی تو میں اسی وقت تلوار سے تیری گردن اُڑا دوں گا۔ اب کوئی بہانہ یا فریب کام نہ آئے گا۔ اور اگر سچی بات بتا دے گی تو تجھے آزاد کر دوں گا۔ عہد خدا کا حق ہے۔ میں اس کو نہ توڑوں گا اور تجھے خوش کروں گا۔ کنیز نے مجبور ہو کر اس پہلوان کا حال بیان کر دیا راستے میں اس کا خیمہ میں آنا۔ شیر کا نکلنا۔ پہلوان کا شیر کو مارنا اور پھر خیمۂ عروسی میں داخل ہونا سب بیان کیا اور کہا کہ باوجود اس قدر قوت صرف کرنے کے اس کی مستی میں کوئی کمی نہ تھی بلکہ بدستور برقرار تھی۔ تجھ میں تو اس قدر سستی ہے کہ چوہے کے کترنے کی آواز سے تیرے ہوش جاتے رہے۔ چونکہ میں نے تیرا واقعہ بھی دیکھا اور اس کا بھی دیکھا اس لیے مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ بھیدوں کو حق خود آشکار کرتا ہے۔ تو بدی کا تخم بوئے گا تو وہ ضرور تیرے آگے اُگے گا۔

یہ سن کر بادشاہ کو سخت عبرت ہوئی۔ اپنے جی میں کہا کہ میں نے دوسروں کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا بدلہ میری جان کو ملا۔ اپنی قوت و مرتبے کے بل پر میں نے دوسرے کی بیوی کا قصد کیا تو اس کا یہ وبال پڑا۔ میں نے دوسروں کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو لامحالہ میرا دروازہ کھٹکھٹایا گیا جو شخص کہ دوسروں کی ناموس سے بدکاری کا ارادہ رکھے تو جان لو دوسرا بھی اس کے ناموس کی تاک

میں ہے۔ جب میں نے امیر موصل سے اس کی کنیز ہتھیالی تو لوگوں نے مجھ سے بھی اسے غصب کر لیا۔ اگرچہ وہ میرا امین اور میرا غلام تھا لیکن میری خیانتوں نے اس کو بھی خائن بنا دیا۔ یہ موقع کینہ یا بدلہ لینے کا نہیں ہے کیونکہ میں نے خود ہی بیہودہ کام کیا تھا۔ اگر کینہ پر آتا ہوں تو یہ کنیز مر جائیگی اور یہ جبر و ظلم بھی میرے سر پر رہے گا۔ جیسا ظلم میں نے کیا تھا اس کے عوض مجھ پر بھی ظلم ہوا۔ ایک بار آزمالیا، اب دوبارہ نہ آزماؤں گا۔ یہ سوچ کر بادشاہ نے کہا کہ اے کنیز بس اب زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تو نے کیا اس کو دل ہی میں رکھ کسی پر ظاہر نہ کر۔ میں اسی سردار کے ساتھ تجھے کر دوں گا۔ خبردار اس واقعے کی کسی کو خبر نہ کرنا تاکہ وہ مجھے دیکھ کر شرمندہ نہ ہو کیونکہ اس نے بدی تو ایک کی مگر اس میں لاکھوں نیکیاں پوشیدہ تھیں۔ میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے اور تجھ سے زیادہ حسین اُس کی نگرانی میں رکھے ہیں۔ آج تک اس کو پورا پورا امانت دار پایا۔ لہٰذا یہ میرے ہی کرتوت کی سزا تھی۔ پھر اس پہلوان کو اپنے حضور میں طلب کیا اور انتقامی غصہ کو پی کر یہ بہانہ کیا کہ مجھے اس کنیز سے نفرت ہو گئی ہے اور اس کے رشک سے ولی عہد کی ماں فریاد و فغاں کرتی ہے۔ اور غمگین ہو گئی ہے۔ پھر جب اس کنیز کو کسی کے حوالے کرنا ہی ٹھیرا تو اے عزیز تُو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ جب کہ تو ایسی جانبازیوں سے اس کو یہاں تک لایا ہے تو تیرے سوائے دوسرے کے حوالے کرنا پسندیدہ نہیں۔ غرض اس کا نکاح اسی پہلوان سے کر دیا۔ اگرچہ خلیفہ کی مردی گدھوں کے مقابلے میں ضرور سُست تھی لیکن اس میں پیغمبروں کی مردانگی غالب تھی اور اس نے وہ کام کیا جو بزرگوں کا حصّہ ہے۔

۴۳۔ سُلطان محمود کا موتی تُڑوانا

ایک روز سلطان محمود دربار میں آیا۔ جملہ ارکانِ دولت حاضر تھے۔ ایک چمک دار موتی نکالا اور وزیر اعظم کے ہاتھ میں رکھا اور پوچھا یہ موتی کیسا ہے اور اس کی کیا قیمت ہو گی۔ وزیر نے عرض کی کہ کوئی سو گون سونے کی قیمت کے برابر ہو گی۔ سلطان نے فرمایا کہ اچھا اسے توڑ ڈال۔ وزیر نے دست بستہ عرض کیا کہ اس کو کیونکر توڑ ڈالوں۔ آپ کے خزانوں اور مال و منال کا خیر خواہ ہوں۔ سلطان نے اس کو شاباشی دی اور خلعت سے سرفراز کر کے وہ موتی لے لیا۔ کچھ دیر تک سب کو دوسری باتوں میں مشغول کر کے وہ موتی سلطان نے عرض بیگی کو دیا کہ اگر کوئی خواہشمند ہو تو اس کی کیا قیمت لگائے گا۔ اُس نے عرض کی ایسی نصف مملکت ہے جس کو خدا زوال سے محفوظ رکھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اچھا اسے توڑ ڈال۔ اس نے عرض کی کہ ای سلطان! ایسے موتی کا توڑ ڈالنا غضب ہو جائے گا۔ قیمت کو چھوڑو ذرا اس کی تاب اور چمک تو دیکھو کہ دن کی روشنی اس کے آگے ماند ہو رہی ہے۔ بھلا اس کے توڑنے پر میرا ہاتھ کیوں کر اُٹھ سکتا ہے۔ میں خزانۂ شاہی کا دشمن تھوڑا ہی ہوں۔ بادشاہ نے اسے بھی خلعت سے سرفراز کر کے منصب میں اضافہ کیا اور اس کی عقل و فراست کی تعریف کی۔ کچھ دیر کے بعد وہی موتی امیر الامراء کو دیا اور اس سے بھی موتی کو آنک کر قیمت لگانے اور پھر توڑ دینے کا حکم دیا اس نے بھی یہی کہا اور خلعت و انعام پایا سلطان جوں جوں اُن کی تعریف کرتا اور مرتبہ بڑھاتا تھا دوں دوں وہ ادنیٰ لوگ راستہ سے بھٹک کر کنویں میں گر رہے تھے۔ وزیر اعظم کی تقلید میں امیر الامرا اور کئی امیروں نے اسی طرح کہا۔ اگرچہ تقلید اس جہان کا ستون ہے لیکن آزمائش کے وقت مقلّد

رسوا ہوتا ہی۔ غرض سلطان نے سب کی آزمائش کرلی اور سب نے مال وخلعت سے سرفرازی پائی تو آخر میں موتی ایاز کو دیا اور کہا کہ ای نگاہ باز! ہر ایک نے اِس موتی کو دیکھا ہی، ذرا تو بھی اس کی چمک دمک کو دیکھ۔ ای ایاز اب تو بتا کہ یہ موتی اس خوبی اور چمک کے ساتھ کس قیمت کا ہی۔ عرض کی میرے ہر انداز سے اس کی قیمت زیادہ ہی۔ سلطان نے حکم دیا کہ اچھا اس کو چورا چورا کر دے۔ اس کی آستین میں گویا پہلے ہی سے پتھر موجود تھے فوراً موتی توڑ دیا۔ وہ سلطان کی آزمائش سے واقف تھا اس لیے دھوکے میں نہ آیا اور خلعت اور اضافۂ منصب کے لالچ نے اسے گمراہ نہ کیا۔ اس نے سلطان کا حکم پاتے ہی موتی چکنا چور کر دیا جب اس نے ایسا خاص موتی توڑ ڈالا تو سب امیر چلّا اُٹھے کہ ہائیں یہ کیا بے باکی ہی۔ واللہ وہ شخص کافر ہی جو ایسے نادر موتی کو توڑ ڈالے۔ اس گروہ نے اپنے جہل ونادانی کی وجہ سے شاہی حکم کے موتی کو توڑ ڈالا۔ ایاز نے کہا کہ ای امیرو! شاہی حکم قیمت میں زیادہ ہی کہ یہ موتی۔ ارے خدا کے واسطے یہ تو بتاؤ کہ حکمِ سلطانی تمھارے نزدیک زیادہ وقعت رکھتا ہی یا یہ موتی۔ ای لوگو تمھاری نظر موتی پر ہی، بادشاہ پر نہیں ہی۔ اس لیے تمھارا قبلہ شیطان ہی اور تم صحیح راستہ پر نہیں ہو۔ میں کبھی بادشاہ پر سے نظر نہیں ہٹاتا اور میں مشرکوں کی طرح پتھروں کو پلٹ کے بھی نہیں دیکھتا۔ وہ جان بدخصلت ہی جو ایک رنگین پتھر کو آنکھوں پر رکھّے اور حکم سلطانی کو پس پشت ڈال دے۔ جب ایاز نے راز میدان میں ڈالا توسارے ارکان ذلیل وشرمندہ ہوئے۔ ان سب امیروں نے سر نیچے جھکا لیا اور اپنی بھُول کا عذر کرنے لگے۔ سلطان نے جلّاد کو اشارہ کیا کہ میرے دربار کو اِن ذلیلوں سے پاک کر۔ بھلا ایسے ناپاک میرے دربار کے لائق ہیں جو ایک صدف دانے کے مقابلے میں میرے حکم کو توڑتے ہیں۔ ہمارا حکم ان اہلِ فساد میں

آکر ایک رنگین پتھر کے مقابلے میں ذلیل اور کم قدر ہو گیا۔ اس وقت رحم دل ایاز اُٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اِن گناہگاروں کی غفلت اور گستاخی ای معاف کرنے والے! محض تیرے عفو کی زیادتی سے تھی۔ تو ان کو معاف کر دے۔ تیری مہربانی غالب ہے اور ہم تجھ سے مغلوب ہیں میں کیا چیز ہوں کہ تیرے آگے کوئی مشورہ دوں یا تجھے شرط کرم و بخشش یاد دلاؤں۔ مگر ای بادشاہ اِن مجرموں کے سر بھی تیری ہی دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ شاہی جوئے کی بازی میں ہار گئے لیکن اپنے جرم و خطا سے واقف ہو چکے ہیں۔ اب انھوں نے اپنا راستہ چھوڑ کر تیری ہی طرف رُخ کیا ہے۔ ای بادشاہ تیری ہی مہربانی تیری طرف راستہ دیتی ہے۔

دفتر ششم مثنوی شریف

۳۵۔ امیروں کا ایاز پر حسد کرنا

جب امیرانِ دربار کا حسد حد سے سوا ہو گیا تو اپنے بادشاہ کو مطعون کرنے لگے کہ یہ ایاز تیس عقلیں کہاں رکھتا ہے جو تیس امیروں کے برابر اعزاز و مراتب اسے دیے گئے ہیں۔ ایک روز سلطان ان تیس امیروں کو ساتھ لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں بغرض شکار نکل گیا۔ دوُر سے ایک کارواں کو آتا دیکھا۔ ایک امیر سے کہا کہ جاؤ اور ان سے پوچھو کہ کہاں سے آرہے ہیں۔ وہ گیا اور جواب لایا کہ رَے سے آرہے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ کہاں جائیں گے تو وہ امیر چپ رہ گیا۔ دوسرے امیر سے کہا کہ جاؤ اور دریافت کرو کہ کارواں کہاں جائے گا۔ وہ جواب لایا کہ یمن جائیں گے۔ سلطان نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سامان ہے۔

وہ بھی جواب نہ دے سکا۔ تو تیسرے امیر کو حکم دیا کہ جاؤ اور ان کا سامانِ سفر دریافت کرو۔ وہ بھی واپس آیا اور عرض کی کہ ان کے پاس ہر چیز ہے اور غالباً اُن کے پاس رازی پیالے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ وہ شہر رَے سے کب نکلے تھے۔ وہ امیر بھی جواب دینے سے عاجز ہوا۔ چوتھے امیر کی طرف اشارہ کیا کہ جاؤ اور پوچھو کہ کارواں رَے سے کب نکلا۔ اس نے واپس آکر عرض کی کہ ساتویں رجب کو نکلے تھے۔ سلطان نے پوچھا کہ شہر رَے میں ان چیزوں کا نرخ کیا ہے۔ وہ بھی دم بخود ہو گیا۔ اس طرح سب کے سب ناقص العقل ثابت ہوئے۔ ہر امیر ایک ہی سوال کا جواب لے کر چلا آیا پوری طرح کسی نے استفسارِ حال نہ کیا۔ پھر سلطان نے ان امیروں سے کہا کہ میں نے تم سے پہلے اپنے ایاز کی بھی آزمائش کی تھی وہ گیا اور ایک ہی دھلے میں سارے سوالوں کا جواب لے آیا یعنی بغیر صراحت کے خود ہی سارا حال پوچھ آیا تھا جو کچھ کہ ان تیس امیروں سے تیس بار میں بھی معلومات حاصل نہ ہوتی وہ اس اکیلے سے ایک ہی دفعہ میں حاصل ہو گئی۔ پس ان امیروں نے کہا کہ یہ اس کی قابلیت اور خدا کی دین ہے۔ کوشش سے نہیں حاصل ہوتی۔ خدا نے چاند کو خوب صورت چہرہ عطا فرمایا ہے اور مٹی ہی کو سوندھی خوشبو بخشی ہے۔

۳۶۔ ایک چڑی مار کا جسم پر گھاس لپیٹ لینا

ایک پرندہ سبزہ زار میں پہنچا جہاں شکار کے لیے جال لگا ہوا تھا۔ دیکھا کہ چند دانے زمین پر بکھرے پڑے ہیں اور ایک شخص اپنے جسم کو پتوں اور گھانس سے چھپائے ہوئے ہے اور ایک پھولوں کی ٹوپی سر پر پہن رکھی ہے۔ پرندہ بالکل انجان اس طرف آیا اور دانے کے گرد پھر کے اُس چڑی مار سے پوچھنے لگا کہ ای سبز پوش تو کون ہے

جو اس درندوں کے جنگل میں آیا ہی اس نے کہا کہ میں تارک دنیا زاہدوں میں نے یہاں کی گھاس پات پر قناعت کر لی ہی۔ زہد و تقویٰ کو میں نے اپنا دین و مذہب بنا لیا ہی کیونکہ موت سر پر کھڑی نظر آتی ہی۔ ہمسائے میں ایک شخص کی موت دیکھ کر مجھے بڑی عبرت ہوئی اور یہ خیال دل میں جم گیا کہ جب ایک دن قبر میں ہی جانا ہی تو ابھی سے کیوں نہ دنیا سے الگ ہو کر خدا سے دل لگاؤں۔ پرندے نے کہا بھی کہ حضرت یہ ترکِ دنیا تو دینِ احمدی میں جائز نہیں ہی لیکن وہ چڑی مار اسی قسم کی باتیں بناتا رہا۔ ادھر پرندے کی نظر بار بار دانے پر جاتی اور لالچ پیدا ہوتا تھا۔ پوچھا کیوں حضرت یہ گیہوں کے دانے کیسے پڑے ہیں۔ چڑی مار نے کہا یہ یتیموں کا مال میری امانت میں لوگ رکھوا دیتے ہیں۔ پرندے نے کہا میں اس وقت بھوک سے ایسا بیتاب ہوں کہ مجھ پر مُردار بھی حلال ہی۔ ای نیک بزرگ، اجازت دیجیے کہ دو چار دانے کھا لوں۔ چڑی مار نے جواب دیا کہ اپنی حالت کو دیکھ کر تم خود ہی فیصلہ کرو۔ احتیاط تو یہ ہی کہ مجبوری میں بھی پرہیز کیا جائے۔ پرندہ اس وقت عجب کشمکش میں پڑ گیا۔ آخر کار رہا نہ گیا۔ گیہوں کے دانے پر چونچ ماری اور فوراً ہی جال میں گرفتار ہو گیا پھر بہتیری ہی مناجات کی کچھ فائدہ نہ ہُوا۔ پھنسنے کے بعد افسوس اور واویلا سے کیا نتیجہ ہی۔ یہ دل کا دُھنواں تو وقت سے پہلے نکلنا چاہیے تھا جس وقت تیری حرص اور ہوس زور کرے تو اسی وقت دعا کر کہ ای فریاد کو پہنچنے والے قبل اس کے کہ دانہ میرا جال بن جائے تو میری حرص کی گرمی کو ٹھنڈا کر دے۔ جال میں پھنس کر پرندے نے کہا کہ یہ اس کی سزا ہی جو زاہدوں کی فریبی باتوں میں آ جائے۔ زاہد بنے ہوئے چڑی مار نے کہا کہ نہیں یہ سزا تو اس اندھی ہوس کی ہی جو یتیموں کا مال کھانے پر تُل جائے۔

۲۷- چور کا بھیڑ لے جانا اور پھر لباس بھی اُڑا لینا

ایک شخص اپنی بھیڑ کو لیے جا رہا تھا۔ بہت لمبی رسّی باندھ رکھی تھی۔ کسی چور نے پیچھے سے آکر رسّی کاٹ ڈالی اور بھیڑ کو لے کر چل دیا۔ جب اُسے خبر ہوئی تو دائیں بائیں دوڑنے لگا۔ اتنے میں چور بھیڑ کو چھپا کر ایک کنوئیں پر آبیٹھا اور زار قطار رونے اور داویلا کرنے لگا۔ بھیڑ والے کو شُبہہ تو ہوا مگر یہ حالت دیکھ کر اس نے پوچھا کہ ای بھائی کیوں روتا ہی۔ اس نے جواب دیا کہ میری روپوں کی تھیلی اس کنوئیں میں گر پڑی ہی۔ اگر کسی کو کنوئیں میں اُترنا آتا ہی تو اُترے اور وہ تھیلی نکال لائے اس کا پانچواں حصّہ خوشی خوشی میں دے دوں گا۔ میری تھیلی میں پانسو درہم ہیں۔ بھیڑ والے نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو دس بھیڑوں کی قیمت ہی۔ اگر ایک دروازہ بند ہوا تو کیا ہی، دس دروازے کھل گئے۔ ہمارا ایک بھیڑ اگیا تھا خدا نے بدلے میں اونٹ دلوا دیا۔ کپڑے اُتار کر فوراً کنوئیں میں اُترا۔ چور وہ کپڑے بھی سمیٹ کر بھاگا۔

ہوشیار آدمی کو چاہیے کہ سیدھے راستے سے گانو تک پہنچے۔ جہاں احتیاط نہیں ہوتی وہاں لالچ طاعون سے آتا ہی۔

۲۸- مال چوری جانے کے بعد نگہبان کا ہات دھوت کرنا

ایک قافلے کا نگہبان اہلِ قافلہ کے مال و اسباب کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ ایک رات نگہبان پر نیند کا غلبہ ہوا اور چور تمام اسباب لوٹ لے گئے اور بچھونے کپڑے وغیرہ جگہ جگہ زمین میں دفن کر دیے۔ جب صبح ہوئی اور اہل کارواں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ گھوڑے، اونٹ، روپیہ پیسہ غائب ہی اور نگہبان ہات دھوت کر کے

بڑے غصے میں چابک پھٹکار رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں بھئی یہ تو بتا کہ مال واسباب کیا ہوا؟ اس نے کہا چور نقاب ڈالے آئے اور میرے سامنے تمام سامان اُٹھا کر چل دیے۔ لوگوں نے کہا کہ ارے ریت کے ٹیلے اس وقت تو کیا کر رہا تھا۔ تو بھی عجب نالائق آدمی ہے۔ نگہبان نے جواب دیا کہ میں ایک تھا وہ بہت تھے اور اُن کے پاس ہتھیار اور بڑا کرّوفر تھا۔ لوگوں نے کہا اگر جنگ میں تو اُن سے سربر نہ ہوسکتا تھا تو کم ازکم آواز دے کر اہلِ کارواں کو تو اُٹھا دیتا۔ نگہبان نے کہا اس وقت انھوں نے مجھے چھُری اور تلوار دکھائی کہ چپکا پڑا رہ ورنہ تجھ کو مار ڈالیں گے۔ اُن کے ڈر سے میں نے منہ بند کر لیا تھا۔ اس کے بدلے اب فریاد اور ہات دھوت کر رہا ہوں۔ اس وقت تو دم مارنے کی ہمت بھی مجھے نہ تھی اب جتنا ممکن ہے ہات دھوت کر لیتا ہوں۔ ساری عمر رسوا کرنے والے شیطان کی نذر ہو چکی۔ اب اعوذ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا بے مزہ ہے۔ اگرچہ اب بے مزہ ہے لیکن پھر بھی غفلت میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ ہے۔

۳۹۔ ایک مخمور تُرک کا گویّے کو طلب کرنا

ایک عجمی ترک صبح سویرے بیدار ہوا۔ رات کی شراب کا خمار اور بے کیفی کی حالت تھی اس میں ایک گویّے کو طلب کیا۔ مست کی گزک اور قوت راگ ہی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو گویّا پھر متوالا کر دیتا ہے۔ گویّے نے اس مدہوش تُرک پر راگ کے پردے میں یہ اسرار کھولنے شروع کر دیے کہ میں نہیں جانتا کہ تو کہاں ہے اور میں کہاں۔ میں نہیں جانتا کہ تو مجھے کیوں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ علیٰ ہذا تمام مضامین "میں نہیں جانتا" کے بیان کرتا رہا اور می ندانم می ندانم

گاتا رہا۔ جب گویّے کی می ندانم حد سے زیادہ ہوئی تو وہ تُرک بیزار ہوکر غضب آلود ہوگیا اور مارنے کے لیے گُرز اُٹھا لیا۔ مگر سوچا کہ اس وقت مطرب کو مار ڈالنا درست نہیں بلکہ پوچھا کہ تونے یہ بے مزہ می ندانم کی کیا رٹ لگائی ہے۔ اب میں تیرا سر توڑ دوں گا۔ ای دلّال کیا تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ ارے بیہودہ وہ سُنا جو تو جانتا ہے۔ می ندانم کو ختم کر۔ میں پوچھتا ہوں کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تو کہتا ہے کہ نہ بلخ کا ہوں نہ ہرات کا، نہ روم کا نہ ہند کا، نہ چین کا نہ شام کا، نہ عراق کا نہ بغداد کا نہ موصل کا۔ اسی طرح نہیں نہیں کو لمبا کھینچتا ہے اور کام کا جواب نہیں دیتا۔ اگر میں پوچھوں کہ تونے صبح کو کیا کھایا ہے اور تو جواب دے کہ نہ شراب نہ کباب نہ ترکاری نہ پنیر نہ پیاز، دُودھ نہ شکر نہ شہد۔ ارے تونے جو کچھ کھایا ہے بس اسی کا نام بتا۔ جو نہیں کھایا اس کا کیا ذکر کرتا ہے؟ گویّے نے کہا کہ میں نے تیری نفی کی تاکہ تو اثبات کو پا جائے میں اس ساز کو نفی سے شروع کرتا ہوں جب تو مرے گا تو موت اصل راز فاش کرے گی۔ تونے بہتیری جان کھو دی مگر اب تک پردے میں ہے کیونکہ اصل نکتہ مرنا تھا وہی تجھ سے نہ ہوسکا جب تک سیڑھی پوری نہ ہو اس وقت تک کوٹھے پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر سو گز میں سے ایک گز بھی رسّی کم ہو اور ڈول رسّی باندھ کر کنوئیں میں ڈالا جائے تو اُس میں پانی کیونکر آئے گا۔

۴۰۔ ایک شاعر کا روزِ عاشورہ حلب میں پہنچنا

عاشورہ کے روز اہلِ حلب بابِ انطاکیہ میں رات کو جمع ہوتے ہیں شیعہ لوگ رات بھر وہاں نوحہ و بُکا کرتے اور کربلا کا عاشورہ یاد کرتے ہیں۔ یزید و شمر کے مظالم

سے جو کچھ اس خاندان پر گزری ان تمام مصیبتوں اور آزمائشوں کا ذکر کرتے ہیں۔
اس قدر چیخیں اور نعرے لگاتے ہیں کہ سارا جنگل اور میدان گونج اٹھتا ہی۔قضارا
ایک پردیسی شاعر عاشورہ کے دن وہاں پہنچا اور رونے دھونے کی آوازیں سُنیں۔
آبادی سے نکل کر اسی طرف چلا جس طرف سے نوحہ و بکا کی آوازیں آرہی تھیں بڑی
رحمدلی اور ہمدردی کے جوش میں پوچھتا پوچھتا جا رہا تھا کہ یہ کاہے کا غم ہی اور یہ
ماتم کون کر رہا ہی۔ شاید کوئی بڑا امیر مر گیا ہی کیونکہ اتنا بڑا مجمع معمولی نہیں ہی۔اس
امیر کا نام اور اوصاف مجھے بتاؤ کیونکہ میں مسافر ہوں۔میں اس کی مہربانیوں اور
احسانات پر مرثیہ لکھوں گا۔کسی نے کہا ارے دیوانہ ہو گیا ہی۔ تو شیعہ نہیں بلکہ خانۂ
رسالت کا دشمن معلوم ہوتا ہی۔تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ آج عاشورے کا دن ہی
اور ایسی روح پاک کا ماتم ہی جو اپنی صدی کی سب روحوں سے افضل تھی۔ بھلا مومن
کے نزدیک یہ واقعہ کیسے حقیر ہو سکتا ہی۔ جسے کان سے محبّت ہوگی اسے بالی سے محبّت
ضرور ہوگی۔ شاعر نے کہا یہ تو سچ ہی مگر اب یزید کا زمانہ کہاں رہا اور یہ غم کس زمانے
میں گزرا اور کتنی مدّت میں یہاں تک پہنچا کیا تم اب تک سوتے رہے کہ اس وقت
ماتم میں کپڑے پھاڑتے ہو۔ اے غافلو! تم اپنا ماتم کرو کیونکہ تمھاری غفلت موت سے
بدتر ہی۔ ایک بادشاہ کی روح قید خانے سے چھُٹی، ہم کیوں کپڑے پھاڑیں اور کیوں
ہاتھ چبائیں؟ چونکہ وہ بزرگ دین کے بادشاہ گزرے ہیں، اس لیے یہ تو خوشی
کا موقع ہی کہ انھوں نے قید و بند توڑے اور ابدی سلطنت کی طرف چل نکلے
اور قید خانے کی زنجیروں کو یہیں چھوڑ گئے۔ اگر تو ذرّہ بھر بھی ان سے واقف ہی
تو اب تو زمانہ ان کی حکومت اور خود مختاری کا ہی۔ اب اس پر رونا کیسا؟ -



۴۱۔ غیر آباد مکان کے دروازے پر ایک شخص کا بھیرویں الاپنا

ایک شخص کسی حویلی کے دروازے پر بھیرویں گا رہا تھا حالانکہ ابھی آدھی رات آئی تھی۔ اس سے ایک کہنے والے نے کہا کہ بھائی! تو بھی عجب بے صبرا ہے۔ آدھی رات کو گلا چیرے جاتا ہے، یہ بھیرویں صبح ہوتے گائیو۔ دوسرے ذرا یہ تو دیکھ بھال لے کہ اس گھر میں کوئی ہے بھی یا نہیں۔ یہاں تو سوائے بھوت پریت کے اور کوئی نہیں تو اپنا وقت ناحق خراب کرتا ہے۔ تیرا گانا سمجھنے اور مزہ لینے کو صاحبِ ہوش چاہیے سو یہاں صاحبِ ہوش کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ غلام سے جواب سُن لیجیے تاکہ آپ کو میری حرکت پر حیرت نہ رہے۔ اگرچہ اس وقت آپ کی حس آدھی رات محسوس کر رہی ہے لیکن میرے نزدیک یہ وقت صبح صادق کا ہے اور ساری راتیں میری آنکھوں میں دن ہوگئی ہیں۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ حویلی اور جلوخانے میں کوئی نہیں ہے طبل کیوں بجاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص آگاہ ہے وہ دوست کے گھر کو دوست سے آباد دیکھتا ہے۔ اور بہت سے مکان بھرے پُرے ہیں لیکن انجام بیں نگاہوں کو خالی نظر آتے ہیں۔

۴۲۔ ایک بیمار کا صوفی و قاضی کے چانٹا لگانا

ایک شخص طبیب کے پاس گیا اور کہا کہ ذرا میری نبض دیکھ دیجیے۔ طبیب نے نبض ہاتھ میں لی اور جان گیا کہ اس مریض کی صحت کی امید نہیں۔ اس سے کہا کہ جو تیرے جی میں آئے وہ کر، تاکہ تیرے جسم سے یہ بیماری جاتی رہے۔ اس مرض کے لیے صبر و پرہیز کو نقصان سمجھ اور جس کام کو تیرا دل چاہے وہ ضرور کر۔ بیمار نے

کہاکہ خُدا تجھے اچھا رکھے۔ ای بھائی اب تو میں نہر کے کنارے جاتاہوں۔ نہر کے کنارے ایک صوفی بیٹھا ہاتھ منہ دھورہا تھا یکایک جو اس مریض کے جی میں آئی تو صوفی کی گُدّی پر ایک چانٹے کا ہاتھ صاف کیا کیونکہ اس نے سوچا کہ چانٹا لگانے کی رغبت ہی، اب اس رغبت کو پورا نہ کروں گا تو طبیب کہہ چکا ہی کہ بیماری بڑھ جائے گی۔ جونہی اس نے تڑاق سے ایک چانٹا رسید کیا صوفی تڑپ کر کھڑا ہوگیا اور ارادہ کیا کہ دو تین گھونسے کس کر لگائے اور داڑھی مونچھ اکھاڑ ڈالے لیکن نظر بھر کے جو دیکھا تو وہ بہت منحنی اور بیمار تھا۔ سوچا کہ یہ اس قدر کمزور ہی کہ اگر ایک گھونسا بھی لگاؤں تو شاید اس کا دم نکل جائے گا۔ مرض الموت نے اس کا پہلے ہی کام تمام کر دیا ہی وہ تو میرے ایک گھونسے میں رانگ کی طرح پگھل جائے گا اور لوگ سارا الزام مجھ پر دھریں گے۔ یہ سوچ کر اس کا دامن تھام لیا اور کھینچتا ہوا قاضی کے پاس لایا کہ اس بے نصیب گدھے کو گدھے پر بٹھایا جائے یا چانٹے کے بدلے اس کو دُرّے کی سزا دی جائے، بہر حال جو آپ کی رائے ہو وہ کیجیے۔ قاضی نے کہا کہ مارنے کا مقام کونسا ہی کیونکہ تیرا دعویٰ ابھی ثابت نہیں۔ احکامِ شرع زندوں اور سرکشوں کے لیے ہیں مرنے والوں پر احکام شرع نافذ نہیں ہو سکتے اس کو گدھے پر بٹھانا بھی مصلحت نہیں۔ بھلا سوکھی لکڑی کو کون گدھے پر بٹھاتا ہی اس کے بیٹھنے کے لیے گدھے کی پیٹھ سزاوار نہیں۔ اس کی سواری کو تابوت سزاوار ہی۔

صوفی نے کہا تو کیا آپ جائز سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چانٹا بھی لگائے اور کوئی سزا بھی نہ پائے۔ کیا یہ جائز ہی کہ ہر راستہ چلتا بازاری آدمی صوفیوں کو بے وجہ بے سبب چانٹا لگا دے؟ قاضی نے کہا ارے جا صوفی کا کیا گیا، ایسے قریب الموت بیمار سے جھگڑا مت کر۔ ای صوفی اس وقت تیرے پاس کیا ہی۔ اس نے جواب دیا کہ چھ درم میرے پاس ہیں۔ قاضی نے کہا تین درم تو خرچ کر

اور باقی تین درم اسے دے دے۔ یہ بے حد کمزور ، بیمار اور مسکین ہی۔ تین درم اس کو روٹی کھانے کے کام آئیں گے۔

یہ سُن کر صوفی بہت بگڑا اور قاضی سے ردّ و قدح ہونے لگی لیکن ادھر اس بیمار کا بُرا حال تھا۔ قاضی کی گدّی پر جو اس کی نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ صوفی کی گدّی سے بھی زیادہ چکنی اور اچھی تھی۔ چانٹے کے لیے ہاتھ تانا اور کان میں بات کہنے کے طور پر قاضی کے پاس آیا اور تڑاق سے ایک چانٹا قاضی کے بھی رسید کر دیا اور کہا کہ وہ چھ درم تم دونوں ہی بانٹ لو تاکہ میں بے خرخشے اور بے وسوسے چلا جاؤں ؛ اس حرکت پر قاضی مارے غصے کے بے قابو ہو گیا اور چاہا کہ اس کے فوراً دُرّے لگوائے۔ صوفی نے کہا کہ ہائیں ! ای شریعت پناہ ، تمھارا حکم عین انصاف ہی۔ اس میں کوئی شک و شُبہ نہیں کر سکتا جو بات تو اپنے لیے نہیں پسند کرتا وہی بات اپنے بھائی کے حق میں کیسے تجویز کر رہا تھا۔

۳۴۔ سُلطان محمود کا ایک ہندو غلام کو تخت پر بٹھانا اور اس غلام کا رونا

ای فرزند، مَیں نے جو جو تیری لغزشیں بیان کی ہیں اسی قسم کی عطّار سے بھی سُنی ہیں۔ اُن (رحمۃ اللہ علیہ) نے محمود غازی کا ایک قصّہ بیان کیا ہی کہ سلطان کو ہند کی جنگ میں ایک لڑکا ہاتھ آیا۔ سلطان نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اس لمبے چوڑے قصے کی خوبی در خوبی تو اُن بزرگ کے کلام ہی سے ڈھونڈو۔ مختصر یہ کہ ایک بار اسے تختِ شاہی پر بٹھایا وہ تختِ زرنگار پر اس شہریار کے بازو ہو بیٹھا لیکن وہ لڑکا تھا

کہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اور آنسوؤں کی جھڑی برسا رہا تھا۔ سلطان نے اس سے کہا کہ اقبال مند! تو کیوں روتا ہے۔ کیا یہ عزت و اقبال تجھے ناگوار ہے کہ ساتویں آسمان سے بھی بلند درجے پر سلطان کے پاس تو بیٹھا ہے۔ تو تخت پر بیٹھا ہے اور تمام امیر وزیر اور اہلِ فوج تیرے تخت کے اطراف چاند سورج کی طرح صف باندھے کھڑے ہیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ رونا اس لیے ہے کہ میری ماں میرے وطن میں مجھے ہمیشہ سلطان کے نام سے ڈرایا کرتی تھی کہ خدا کرے تو محمود کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے۔ اس وقت میرا باپ میری ماں کو روکا کرتا تھا کہ یہ تمہارا کیسا غصہ ہے کہ بچے کو ایسی بد دعا دیتی ہو۔ تم بڑی سنگدل اور بے رحم ہو کہ سیکڑوں تلواروں سے اس کو خود ہی قتل کرتی ہو۔ میں دونوں کی بحث و تکرار سے بہت حیران ہوتا تھا اور میرے دل میں بڑا خوف اور غم پیدا ہوتا تھا کہ ای پاک پروردگار محمود کس دوزخ سے نکلا ہے کہ اس کے ہاتھ پڑنا سب سے سخت عذاب سمجھا جاتا ہے۔ ای سلطان میں آپ کے خوف سے کانپ اٹھا کرتا تھا اور اپنی اس جھوٹی بدگمانی پر آج روتا ہوں اور حسرت کرتا ہوں کہ اب میرے ماں باپ کہاں ہیں کہ مجھے اس حال میں دیکھیں کہ شاہ جہاں کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوں۔

ارے تنگ فطرت! یہ فقر ہی محمود ہے جس سے تیری طبیعت ہمیشہ ڈرتی رہتی ہے۔ اگر تو اس محمود کے رحم و کرم سے آگاہ ہو جائے تو بڑی خوشی سے اپنی آخرت فقر بر ہونے کی دعا کرنے لگے۔

۴۴۔ درزی کا ایک مدعی ترک کے کپڑے سے ٹکڑے چرانا

تم نے نہیں سنا کہ کوئی شیریں گفتار ایک رات یاروں میں بیٹھا درزیوں کی شکایت

کر رہا تھا اور لوگوں کو اس گروہ کی چوریوں کے قصے سنا رہا تھا۔ اس نے اچھا خاصہ درزی نامہ پڑھ ڈالا اور خلقت اس کے اطراف جمع ہوکر سنتی رہی۔ سننے والوں کو جس قدر دلچسپی ہورہی تھی اسی قدر وہ بھی مزے لے لے کر بیان کر رہا تھا بلکہ سراپا حکایت بن گیا تھا۔ جب اس نے درزیوں کی بہت سی چوریوں کے حالات سنائے کہ یہ مکار کس کس طرح لوگوں کو ٹھگتے اور نقصان پہنچاتے ہیں تو سننے والوں میں سے ملک خطا کا ایک ترک اُن کی بدمعاشیوں پر بالکل آپے سے باہر ہوگیا۔ اُس نے پوچھا کہ اے داستان گو! یہ تو بتا کہ تمھارے شہر میں کونسا درزی مکر و دغا میں سب کا اُستاد ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک درزی پورششش نامی بڑا زہر کا بجھا ہوا ہے اور ہاتھ کی صفائی میں گاہک کا قاتل ہے۔ ترک نے کہا کہ میں شرط کرتا ہوں کہ چاہے وہ کتنے ہی بہانے کرے وہ میرے کپڑے میں سے ایک تار بھی نہ لے سکے گا۔ لوگوں نے کہا کہ ارے بھائی تجھ سے زیادہ ہوشیار لوگ اس سے مات کھا چکے ہیں تو اپنی عقل پر دھوکا نہ کھا، کہیں تو اُس کے چال چکر میں آکر بالکل لُٹ نہ جائے! اب تو ترک بپھر گیا اور شرط بدکر اپنا مال گروی رکھا اور کہنے لگا کہ اجی کیا نیا اور کیا پُرانا مجھ سے وہ کچھ چرا نہ سکے گا۔ شہ دینے والوں نے اور بھی ترک کو بے آپے کر دیا اور اس نے بھی گھوڑا گروی رکھ کر شرط بدی کہ اگر وہ درزی میرا ذرا سا بھی کپڑا چرا لے تو یہ تازی گھوڑا ہار دوں گا اگر نہیں چُرا سکا تو تم کو ایسا ہی گھوڑا میرے حوالے کرنا پڑے گا۔ غرض شرط طے ہوگئی اور ترک کو مارے پیچ و تاب کے رات بھر نیند نہیں آئی اور اسی کے خیال میں الجھتا رہا۔ صبح ہوتے ہی ایک اطلس کا کپڑا بغل میں دبایا اور بازار میں اس دغا باز کی دُکان پر پہنچا۔

درزی نے جو اس نو وارد گاہک کو دیکھا تو بہت ادب سے کھڑے ہوکر سلام کیا اور خوش آمدید کہی۔ ترک کے مرتبے سے کہیں زیادہ تعظیم سے پیش آیا

یہاں تک کہ تُرک کے دل میں ایک قسم کی مروّت پیدا ہوگئی اور اس نے اپنی آتنبولی اطلس اس کے آگے رکھ دی اور کہا کہ اس اطلس کی ایک قبا قطع کر جو میدانِ جنگ میں پہننے کے لائق ہو۔ اوپر کا حصّہ تنگ ہو کہ جسم پر پھنسا ہوا رہے اور نچلا حصّہ ذرا کشادہ رہے اور ایسا کہ پیروں میں دبنے نہ پائے۔ درزی نے دونوں آنکھوں اور سینے پر ہاتھ رکھے اور عرض کی کہ سرکار میں ہر طرح کی خدمت کو حاضر ہوں۔ کپڑے کو ناپا اور قطع کرنے کے لیے جگہ جگہ نشان لگائے اور ساتھ ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا بڑے بڑے امیروں کے واقعات اور ان کی بخشش اور انعام اور بخیلوں کے قصّے ان کا پھکّڑ پن بھی ہنسانے کے لیے بیچ بیچ میں کہتا گیا۔ انھیں حکایتوں میں ایک قصہ ایسا ہنسانے والا سنایا کہ وہ تُرک ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ جب وہ اس داستان پر ہنسنے لگا تو اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور بھی بند ہوگئیں۔ درزی نے جھٹ ایک ٹکڑا کپڑے کا چُرا کر ران کے نیچے اس طرح دبایا کہ سوائے خدا کے اسے کوئی نہ دیکھ سکا اور خدا اگرچہ سب چالاکیاں دیکھتا ہے مگر اس کی صفت تو ستاری ہے۔ البتہ اگر حد سے زیادہ ہو جائے تو بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ غرض داستان کے مزے میں وہ تُرک اپنے اصلی قصد اور دعوے کو بھول گیا۔ کدھر کی اطلس کہاں کا دعوےٰ اور کیسا شرط میں بدا ہوا گھوڑا۔ وہ ٹھٹے اور مذاق میں سب سے غافل ہوگیا اور درزی کی خوشامد کرنے لگا کہ خدا کے واسطے ایک مذاق کا قصہ اور سناؤ اس سے میرا جی بہل رہا ہے۔ درزی نے ایک بے اختیار کر دینے والا قصہ اور سنایا کہ وہ مارے قہقہوں کے چت ہوگیا۔ درزی نے بڑی صفائی سے اطلس کا ایک اور ٹکڑا کتر کر نیفے میں چھپا لیا اور تُرک تو ہنسی میں دیوانہ ہی ہو رہا تھا اور اُسے ذرا خبر نہ ہوئی اسی طرح تیسری دفعہ بھی اس تُرک خطائی نے درخواست کی کہ برائے خدا ایک دل لگی کا قصہ اور سناؤ اس نے پھر ایک قصّہ سنایا کہ تُرک پھڑک اٹھا اور بالکل درزی کا

شکار ہوگیا۔ تُرک کی آنکھیں بند، عقل رخصت اور ہوش وحواس غائب۔ مارے قہقہوں کے لوٹا جاتا تھا۔ اب کے تیسری دفعہ پھر اس قبا کے کپڑے میں سے ایک پٹّی درزی نے چُرالی کیونکہ تُرک کی ہنسی کی وجہ سے چُرانے کی گنجائش کافی مل گئی تھی جب چوتھی مرتبہ اس تُرک نے درزی استاد سے دل لگی کا فسانہ سُنانے کی خواہش کی تو درزی کو اس تُرک کے حال پر رحم آگیا اور کہنے لگا کہ سرکار! بس اب دل لگی کو چھوڑ دو۔ اگر اور قصّہ سناؤں گا تو آپ کو عمر بھر حسرت رہ جائے گی۔

اب اس قصّے کا نتیجہ سُن۔ وہ بے خوف تُرک تو ہی ہے۔ اور یہ عیّار دنیا درزی ہے جو اطلس کی قبا تقویٰ اور نیکی کے لیے تجھے سلوانی تھی، وہ مذاق اور قہقہوں میں برباد ہوگئی۔ اطلس تیری عمر ہے، مذاق اور قہقہہ نفسانی جذبات ہیں، دن رات قینچی ہیں اور دل لگی کی رغبت تیری غفلت ہے۔ گھوڑا تیرا ایمان ہے اور شیطان گھات میں لگا ہوا ہے لہٰذا اپنے ہوش وحواس ٹھیک کر اور افسانے کے ظاہر کو چھوڑ۔ تیری عمر کی اطلس کو زمانے کی قینچی سے مکّار درزی ٹکڑے ٹکڑے کرکے چرائے لیے جارہا ہے۔

۵۴۔ ایک شخص کا شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کو آنا اور ان کی بیوی کی بدزبانی

شہر طالقان سے ایک فقیر خرقان کو حضرت شیخ ابوالحسن کی شہرت سُن کر گیا۔ بڑے بڑے پہاڑوں اور جنگلوں کو طے کرکے حضرت شیخ کے دیکھنے کو حاضر ہوا۔ جب منزل مقصود تک پہنچا تو حضرت کا مکان ڈھونڈ کر پہنچا بڑے عجز ونیاز کے ساتھ اس نے کنڈی کھٹکھٹائی تو ایک عورت نے دروازے سے باہر سر نکالا اور پوچھا کہ آپ

کس کو بلاتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں حضرت شاہ ابوالحسن کی قدم بوسی کو حاضر ہوا ہوں۔ اس عورت نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اور کہا کہ اس ڈاڑھی پر آخ تھو ہے۔ اتنا بڑا سفر کر کے یہاں تک پہنچا ہے کیا تجھے اپنے وطن میں کوئی اور کام نہ تھا۔ یا تو دیوانہ ہے یا غالباً شیطان نے تجھے بہکایا ہے۔ الغرض اس عورت نے بہت سی نامناسب باتیں کہیں جن کو میں یہاں بیان نہیں کرسکتا۔ اس کے آوازوں توازوں سے وہ مرید بڑے رنج اور پریشانی میں پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر پھر پوچھا کہ خیر یہ تو سب سہی مگر وہ بادشاہ ہیں کہاں؟ اس عورت نے کہا کہ وہ دھوکے باز نرا بہروپیا، بیوقوفوں کا جال اور گمراہی کی کمند ہے۔ اگر تو اس سے نہ ملے اور صحیح سلامت واپس ہو جائے تو بہتر ہے۔ کہیں تو بھی اس کے چکر میں نہ پھنس جائے۔ ایسا بڑ بولا، خوشامدی اور مفت خورا ہے کہ سارے ملک میں شہرت ہوگئی ہے۔ اس قوم کے لوگ سبطی اور گوسالہ پرست ہیں جو ایسی گائے کو پچکارتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔ افسوس کہ موسیٰ کے اُمتی تو اب تک گوسالہ پرستوں کو قتل کریں اور ان مسلمانوں کا یہ حال ہو جائے۔ پیغمبر اور آپ کے اصحاب کا طریق کہاں رہا۔ وہ نمازیں اذکار واشغال اور آداب عبادت کدھر گئے۔ ان لوگوں نے شریعت اور خوف خدا کو پیچھے ڈال دیا۔ حضرتِ عُمر کہاں رہے کہ سختی سے امر معروف کرتے۔ یہ بدزبانی سن کر اس معتقد کو بہت غصہ آیا اور اُس نے بھی عورت کو خوب صلواتیں سنائیں اور اس کے بعد وہاں سے نکل کر ایک ایک سے پوچھتا پھرا کہ حضرتِ شیخ کہاں ہیں۔ ایک شخص نے خبر دی کہ وہ قطب زمانہ پہاڑیوں کی طرف جلانے کی لکڑی لانے گئے ہیں۔ وہ مسافر شیخ کے شوقِ نیاز میں سیدھا ادھر ہی روانہ ہوا۔ آدمی کے ہوش وحواس کے آگے شیطان وسوسہ لایا کرتا ہے۔ جس سے چاند گردمیں چھپ جاتا ہے۔ چنانچہ راستہ چلتے چلتے اسے بھی یہ وسوسہ آیا

کہ حضرت شیخ نے ایسی عورت کو اپنے گھر میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ دو ضدوں میں باہم دگر محبت کیسے ہوسکتی ہے اور ایسے امام زمانہ کے ساتھ بھی یہ شیطان موجود ہے یہ کیا معاملہ ہے۔ پھر وہ لاحول پڑھتا اور اپنے جی میں کہتا کہ شیخ پر اعتراض کرنا بہت بُرا ہے غرض اسی اُلجھن میں گرفتار چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ شیخ نامدار ایک شیر پر سوار چلے آرہے ہیں شیر پر لکڑیاں لدی تھیں اور لکڑیوں پر آپ بیٹھے تھے۔ ہاتھ میں ایک سانپ بطور تازیانے کے تھا۔ آپ نے مرید کو دُور سے دیکھا اور ہنس کر کہا ای فریب خوردہ اس کی بات نہ مان۔ ان بزرگ نے اس کے نفس کی اُدھیڑ بُن کو پالیا اور تمام احوال ایک ایک کر کے جو کچھ اس پر گزرے تھے سب سُنا دیے اس کے بعد بیوی کی لعنت ملامت کے واقعات حضرت نے خود ہی ارشاد فرما دیے۔ اور کہا کہ وہ میری بیوی ہے۔ اب تو خیال کر کہ اگر میں ایک عورت کی بدزبانی پر بھی صبر نہ کر سکتا تو یہ شیر نر میری بیگار کیسے اٹھاتا ؂

(۶۴) مسلمان یہودی اور عیسائی کا ہم سفر ہونا

ای فرزند ایک حکایت سُن تا کہ تو خوش بیانی اور ہنر کے چکّر میں نہ آئے۔ ایک سفر میں یہودی ، مسلمان اور عیسائی ہمراہ ہوئے۔ جب تینوں ہمراہی کسی منزل پر پہنچے تو کوئی بھلا آدمی ان مسافروں کے لیے حلوا لایا۔ تینوں مسافروں کے سامنے حسبۃً للہ وہ حلوا رکھ دیا۔ وہ دونوں تو اس روز بدہضمی میں مبتلا تھے اور مسلمان روزے سے تھا۔ جب نماز شام کا وقت آیا تو مسلمان کو تو بہت بھوک لگی مگر ساتھیوں نے کہا کہ ہمارا پیٹ تو بھرا ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ آج کی رات رکھ چھوڑیں اور کل اس کو کھائیں۔ مسلمان نے کہا نہیں ، اس کو تو تازہ ہی کھا لینا چاہیے ، کل تک

صبر کون کرے۔ ان دونوں نے کہا کہ تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو اکیلا کھا جائے اس نے کہا کہ اے دوستو! ہم تین آدمی ہیں۔ جب اختلاف رائے ہو گیا تو بہتر ہے کہ آپس میں بانٹ لیں جو چاہے اپنا حصّہ کھالے اور جو چاہے اٹھا رکھے مگر وہ کافر اس فکر میں تھے کہ وہ مسلمان رات بھر بھوکا مرے اور غم کھاتا رہے۔ چونکہ وہ خدا کی مرضی پر صابر شاکر تھا ان دونوں کی ضد دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ پس تینوں سو گئے اور صبح بیدار ہو کر تیار ہوئے مُنہ ہاتھ دھو کر ہر ایک اپنی اپنی عبادت میں مشغول ہوا۔ مسلمان ہو یا یہودی، آتش پرست ہو یا بُت پرست سب کا رُخ اُسی سلطان دو جہاں کی طرف رہتا ہے۔ بلکہ پتھر، خاک، پہاڑ اور پانی سب کو خدا ہی سے نسبت ہے۔ القصّہ جب ضروریات سے فارغ ہوئے تو ایک نے بات چھیڑی کہ رات کو جس نے جو خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے۔ جس کا خواب سب سے بہتر ہو یہ حلوا اُسی کا ہے خواہ خود کھائے خواہ دوسروں کو شریک کرے، کیونکہ جس کی معرفت زیادہ ہو اس کا کھانا سب کے کھانے کے برابر ہے، اُس کی پُر نور جان سب پر فوقیت لے جاتی ہے، باقیوں کو صرف اس کی خدمت گزاری کافی ہے۔ پس یہودی نے رات کو جو کچھ دیکھا اور جہاں جہاں پھرا تھا بیان کرنا شروع کیا۔ اُس نے کہا کہ میں خواب میں ایک طرف چلا جا رہا تھا کہ حضرت موسیٰ کی رُوح سے ملاقات ہوئی۔ میں حضرت کے پیچھے پیچھے کوہِ طور پر پہنچا۔ ہم تینوں نور میں چھپ گئے۔ تینوں سائے اس آفتاب کی روشنی میں چھپ گئے۔ اس کے بعد اس نور سے ایک دروازہ کھلا۔ اس نور میں سے ایک اور نور پھوٹا اور یہ دوسرا نور پھیلتا گیا۔ میں بھی موسیٰ بھی اور کوہِ طور بھی تینوں اس نور کی چمک میں گُم ہو گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب نورِ حق نے اس میں پھونک ماری تو وہ پہاڑ تین ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جو سمندر میں گرا تو زہر جیسا کڑوا پانی میٹھا ہو گیا دوسری شاخ زمین پر گری تو آبِ رواں کا ایک چشمہ پیدا ہوا

خدا کی برکت سے پانی سب بیماریوں کا علاج ہے اور اس کی تیسری شاخ جو اُڑی تو کعبے کے قریب عرفات پر گری۔ پھر اس بے ہوشی سے جو میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ طور اپنی جگہ پر جیسا کا ویسا ہی ہے لیکن وہ موسیٰؑ کے پانو کے نیچے برف کی طرح پگھل رہا تھا۔ نہ اُس کی کوئی چوٹی باقی رہی تھی نہ اس میں پتھریلا پن تھا۔ مارے خوف کے پہاڑ زمین کے برابر ہو گیا تھا اور اس کی ساری بلندی نشیب میں تبدیل ہو گئی تھی۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں اس یہودی نے بنائیں۔

اس کے بعد عیسائی نے کہنا شروع کیا کہ مجھے خواب میں حضرتِ مسیحؑ کا دیدار ہوا۔ میں اُن کے ساتھ چوتھے آسمان پر گیا جو اس آفتاب کا مرکز ہے۔ آسمانی قلعوں میں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس دنیا کے عجائبات کو اُن سے کوئی نسبت نہیں۔ اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ آسمان کی عظمت زمین سے بدرجہا زیادہ ہے۔

آخر میں مسلمان کی باری آئی تو بہت کِس مسا کر بولا۔ بھائیو! میں کیا بیان کروں۔ میرے خواب میں تو آج رات کو حضرت مصطفیٰؐ تشریف لائے۔ یہ سیّد ساداتؐ، رسولوں کے بادشاہ، دو جہاں کے فخر اور ہدایت کرنے والے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ساتھیوں میں ایک تو طور کو گیا کلیم اللہ کے ساتھ عشقِ الٰہی میں مصروف ہو گیا اور دوسرے کو حاکمِ زمانہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ چوتھے آسمان پر لے گئے۔ لہٰذا اے بھسڈی، تو اُٹھ اور بس یہ حلوا کھا لے۔ وہ دونوں صاحبانِ ہنر تو گھوڑے اُڑاتے ہوئے نکل گئے اور اقبال اور مرتبے کا پروانہ اُنھیں مل گیا اور فرشتوں سے جا ملے، تو نکمّا اکیلا رہ گیا ہے۔ تو اس حلوے کے تھال پر ہی قناعت کر۔ میں نے ایسے بادشاہِ جہان کا فرمان پاتے ہی مجبوراً ساری روٹیاں حلوے کے ساتھ کھا لیں۔

یہ سُن کر یہودی اور عیسائی دونوں گھبرا کر بولے کہ اسے حریص بے وقوف۔ سچ کہہ کیا تو اکیلا سارا حلوا کھا گیا۔ مسلمان نے جواب دیا کہ جب میرے سرکار نے حکم دیا

تو میرا کیا حوصلہ تھا کہ انکار کرتا ۔ کیا تو یہودی ہونے کے باوجود موسیٰؑ کے حکم سے سرتابی کرے گا؟ اور تو عیسائی ہے تو کیا عیسیٰ کے بُرے یا بھلے احکام کی تعمیل سے منہ پھیر سکتا ہے؟ تو مَیں اپنے فخر انبیا کے حکم سے کیسے سرتابی کروں میں نے تو وہ حلوا کھالیا اور اب مگن ہُوں ۔ پس ان دونوں نے کہا کہ خدا کی قسم تو نے سچّا خواب دیکھا اور تونے جو دیکھا وہ ہمارے سو خوابوں سے بھی بہتر ہے ۔ تیرا خواب عین بیداری ہے کہ بیداری میں اس کا اثر عیاں ہے ؛



(۴۷) اُونٹ بیل اور بھیڑ کا راستے میں گھانس کی ایک پولی پانا

اُونٹ بیل اور بھیڑ نے ایک گھانس کا گٹھا راستے میں پڑا پایا ۔ بھیڑ نے کہا کہ اگر اس کو تقسیم کرلیں تو ہم میں سے کوئی سیر نہ ہوگا ۔ بہتر یہ ہے کہ جس کی عمر زیادہ ہو اس کے کھانے کو اسے چھوڑ دیا جائے ، کیونکہ حضرت مصطفےٰ کی حدیث ہے کہ بزرگوں کو مقدم رکھنا چاہیے پس بھیڑ نے بیل اور اونٹ سے کہا کہ اے رفیقو اجب شرط یہ آٹھہری تو چاہیے کہ ہر ایک اپنی اپنی عمر بتائے ، جو سب سے زیادہ بوڑھا ہو وہ کھائے اور باقی نہ کھائیں ۔ بھیڑ نے کہا کہ حضرت اسماعیلؑ کے زمانے میں میری چراگاہ وہیں تھی جہاں حضرت کو ذبح کرنے کے لیے لائے تھے ۔ بیل نے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں ۔ میں تو اُس جوڑی کا بیل ہوں جس کو آدمؑ نے سب سے پہلے جوتا تھا ۔ جب ایسی عجیب باتیں اونٹ نے بیل اور بھیڑ سے سُنیں تو سر جھکا کر منہ بڑھایا اور وہ پولی ہڑپ کرگیا اور کہا کہ مجھے تو اپنی عمر کی

بڑائی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا جسم اور گردن کافی بڑی ہی ؁

(۴۸) شاہی منادی سُن کر دلقک مسخرے کا گانو سے شہر کو دوڑنا

بادشاہِ ترمذ کے پاس ایک مسخرہ دلقک بادشاہ کا بہت چہیتا تھا۔ ایک بار رخصت لے کر اپنے گانو گیا۔ اسی زمانے میں بادشاہ کو شہر سمرقند میں ایک اہم کام پیش آیا۔ بادشاہ نے منادی کرائی کہ جو شخص پانچ روز میں سمرقند میں جاکر جواب باصواب لے آئے گا میں اس کو اس قدر دولت بخشوں گا کہ نہال ہو جائے گا۔ اتفاق سے دلقک مسخرے نے بھی اپنے گانو میں بیٹھے ہوئے یہ منادی سُنی تو فوراً سوار ہوا اور ترمذ کو مارا مار پہنچا۔ اس قدر تیزی سے منزل طے کی کہ راستے میں دو گھوڑے مرگئے۔ راستے کے گرد و غبار میں اٹا ہوا، بالکل خلاف اوقات دربارِ شاہ میں داخل ہوا۔ سارے اہلِ دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بادشاہ کو بھی طرح طرح کے گمان ہونے لگے۔ شہر کے خاص و عام بھی پریشان ہو گئے کہ الٰہی نہ جانے اس شخص پر کیا پریشانی اور بلا آن پڑی ہی۔ یا تو کوئی زبردست دشمن ہماری طرف بڑھا آرہا ہی یا پردۂ غیب سے کوئی مہلک بلا آنے والی ہی کہ دلقک مسخرہ اپنے گانو سے اس قدر مارا مار آیا ہی کہ راستے میں قیمتی گھوڑے تک مرگئے۔ بادشاہ کے محل پر مخلوق جمع ہو گئی تاکہ معلوم کرے کہ دلقک مسخرہ اس قدر تیزی سے کیوں آیا ہی۔ اس کی جلدی، گھبراہٹ اور کوشش کو دیکھ کر شہر ترمذ کی خلقت میں ایک ہلکم مچ گئی۔ کوئی دونوں ہاتھ زانوؤں پر مار رہا تھا اور کوئی مارے وہم کے واویلا

کررہا تھا۔ اس عام بے چینی اور آنے والی مصیبت کے وہم سے ہر دل سو سو طرح کے اندیشوں میں مبتلا تھا۔ ہر شخص اپنے قیاس کے مطابق نئی فال لیتا تھا۔ الغرض دلقک مسخرے نے خاص بادشاہ سے ملنا چاہا۔ چنانچہ بادشاہ نے فوراً باریاب کیا۔ باہر جو کوئی اس مسخرے سے حال پوچھتا تھا وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموشی کا اشارہ کرتا تھا۔ اُس کی اِس پردہ داری سے لوگوں کا وہم اور بڑھ گیا اور سب حیران و ششدر رہتے کہ نہ جانے کیا اہم واقعہ ہے۔

آخر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے جلد بیان کر۔ دلقک مسخرے نے اشارے سے عرض کیا کہ اے بادشاہ ذرا ٹھہر جائیے تاکہ میرا سانس قابو میں آجائے۔ ذرا میرے ہوش و حواس ٹھیک ہوں کہ میں ایک عجیب حالت میں گرفتار ہوں۔ گھنٹہ بھر تک بادشاہ منتظر رہا یہاں تک کہ طرح طرح کے وسوسوں سے بادشاہ کا حلق اور منہ کڑوا ہوگیا بادشاہ نے دلقک کو اس حال میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ قسم قسم کے لطیفے اور مذاق تراشا کرتا تھا اور بادشاہ کو خوش رکھتا۔ وہ بھرے جلسے میں اس قدر ہنستا تھا کہ بادشاہ دو دو ہاتھوں سے پیٹ پکڑ لیتا تھا۔ باوجود اس کے آج یہ حال ہے کہ چہرہ بالکل اُترا ہوا اور غمگین، اور ہاتھ منہ پر رکھ کر بادشاہ کو چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ اِن دنوں خود بادشاہ کے دل میں بھی ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کیونکہ خرّم شاہ بہت خونریز بادشاہ تھا۔ اس کا دارالسلطنت سمرقند تھا اور ایک بدتمیز وزیر اس کا مشیر کار ہوگیا تھا۔ اس بدبخت نے اس طرف کے کئی بادشاہوں کو حیلے بہانے سے اور کہیں جبراً لشکرکشی کر کے مروا ڈالا تھا۔ بادشاہ ترمذ بھی خرّم شاہ سے خوف زدہ رہتا تھا۔ دلقک کی ان حرکتوں سے اس خوف میں اور پختگی پیدا ہوگئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ جلد بیان کر کہ اصل بات کیا ہے۔ تیری اس قدر گھبراہٹ اور

خوف کس وجہ سے ہے؟ آخر دلقک نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میں نے گانو میں سُنا کہ بادشاہ نے ہر طرف یہ منادی کرائی ہے کہ ایسا آدمی چاہیے جو ہمارا فرستادہ بن کر تین روز میں سمرقند جا پہنچے جب وہ پیغام کا جواب باصواب لے آئے گا تو اس کو دولتِ بے قیاس ملے گی۔ اس منادی کو سن کر اے بادشاہ میں آپ کے حضور میں اس لیے فوراً حاضر ہوا ہوں کہ عرض کروں کہ مجھ میں تو یہ تاب و تواں نہیں۔ اور ایسی تیزی اور پھرتی مجھ سے تو ممکن نہیں، لہٰذا مجھ سے اس کام کے انجام دینے کی امید نہ رکھیے۔ بادشاہ نے کہا ارے تیری اس مستعدی پر لعنت، کہ سارے شہر میں فکر و تشویش پھیل گئی۔ ارے بے وقوف تو نے اتنی سی بات کے لیے ساری چراگاہ میں آگ لگا دی۔

(۴۹) چوہے کی مینڈک سے دوستی اور اپنا پانو اُس کے پانو سے باندھ لینا

خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ چوہے اور مینڈک میں ایک ندی کے کنارے دوستانہ ہوگیا۔ دونوں کے دونوں ہر صبح وقتِ مقررہ پر ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے۔ دونوں کا دل باہمی میل جول سے کشادہ ہوتا تھا اور آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت اور قصہ بازی ہوتی تھی۔ یہ محبت یہاں تک بڑھی کہ چوہے نے مینڈک سے کہا۔ پیارے دوست میں اس تھوڑے سے مقررہ وقت میں جی بھر کر تجھ سے حکایتیں بیان نہیں کرسکتا۔ نماز تو پانچ وقت کی فرض ہے لیکن عاشقوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نماز میں ہیں۔ وہ نشہ پانچ نمازوں سے قائم نہیں رہتا۔ تیرا مکھڑا دیکھے بغیر ایک دم کو بھی چین نہیں۔

یہ عین مروّت ہوگی اگر تو مجھے خوش کرے اور وقت بے وقت اپنی مہربانی سے مجھے یاد کرتا رہے۔ تو نے پورے دن میں صرف صبح سویرے ایک وقت ملنے کا مقرر کیا ہی لیکن میں ایک بار کے راتب پر قانع نہیں ہوں۔ پانی میں اُترنا میرے امکان سے باہر کر دیا گیا ہی کیونکہ میری تخلیق خاک سے ہوئی ہی۔

آخر کار قرار یہ پایا کہ ایک لمبی ڈوری استعمال کریں تاکہ ڈوری کے کھینچنے سے اشارہ معلوم ہو۔ ڈوری کا ایک سرا میرے پانوٗں میں بندھا رہے اور دوسرا سرا تیرے پانوٗں میں بندھا رہے تاکہ جب کبھی میں تجھے خشکی پر بلانا چاہوں تو اس ڈوری کو کھینچ کر اشارہ کر سکوں۔ مینڈک کے دل پر یہ تجویز گراں گزری اس نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھو یہ مجھے قید و بند میں گرفتار کرتا ہی جب کسی کام سے کراہت آجاتی ہی لیکن وہ کام ہو جاتا ہی تو وہ آفت سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر بھی دوست کی خاطر مینڈک نے یہ بات مان لی اور ہمارا چوہا ندّی کے کنارے مینڈک سے ملاقات کرنے جب ڈوری کھینچتا تو مینڈک باہر آجاتا تھا۔ بہت دن اس طرح گزر گئے قضارا فراق کا کوّا یکایک آن پہنچا تو چوہے پر جھپٹّا مارا اور اس جگہ سے اُڑا لے گیا۔ جب کوّے کے چنگل میں چوہا ہوا میں بلند ہوا تو مینڈک بھی پانی کی تہ میں سے کشاں کشاں اوپر آیا۔ چوہا تو کوّے کی چونچ میں تھا مگر مینڈک بھی ہوا میں لٹکا ہوا ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ خلقت دیکھ کر حیران تھی کہ اس مکّار کوے نے پانی کے مینڈک کا شکار کیونکر کر لیا۔ بھلا یہ کوّا پانی میں کیسے گیا ہوگا اور پانی کا مینڈک کوّے کا شکار کیونکر ہو سکتا ہی۔ اور مینڈک یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ سزا اس کی ہی جو کسی نااہل سے دوستانہ اختیار کرے۔ ہائے ہائے نااہل ہم نشین سے خدا بچائے۔

ای بزرگو نیک ہم نشین تلاش کرو۔

(۵۰) سلطان محمود کا ایک رات چوروں کے ساتھ شریک رہنا

ایک رات کو سلطان محمود بھیس بدل کر نکلا اور چوروں کی جماعت کے ساتھ ہو گیا۔ جب کچھ دیر ان کے ساتھ رہا تو انھوں نے پوچھا کہ اے رفیق تو کون ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں بھی تمھیں میں سے ایک چور ہوں۔ اس پر ایک چور نے کہا بھائیو! آؤ ذرا اپنا اپنا ہنر تو بتاؤ۔ ہر شخص بیان کرے کہ وہ کیا خاص کمال رکھتا ہے۔ ایک نے جواب دیا کہ میرے دونوں کانوں میں عجب کمال ہے کہ کُتّا جو بھونکتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ لوگ فلاں شخص کی امارت کا کیا چرچا کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا میری آنکھوں میں یہ کمال ہے کہ جس کسی کو رات کے اندھیرے میں دیکھ لوں تو دن کے وقت اس کو پہچان لیتا ہوں۔ تیسرے نے کہا میرے بازو میں یہ قوّت ہے کہ صرف ہاتھ کی قوّت سے کومل لگاتا ہوں۔ چوتھے نے کہا میری ناک میں عجب وصف ہے۔ جگہ جگہ کی خاک سونگھ کر پہچان لیتا ہوں کہ کس جگہ دولت گڑی ہے۔ پانچویں نے کہا میرے پنجے میں وہ قوّت ہے کہ جب کمند پھینکتا ہوں تو محل چاہے کیسا ہی بلند ہو میری کمند اس کے کنگورے کو پکڑ لیتی ہے۔ آخر میں سلطان سے مخاطب ہو کر اُن سب نے پوچھا کہ بھائی اب تو بتا کہ تجھ میں کیا وصف اور کمال ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ میری ڈاڑھی میں یہ وصف ہے کہ جب مجرموں کو جلّاد کے سپرد کرتے ہیں اس وقت اگر میری ڈاڑھی ہل جائے تو مجرم رہا ہو جاتے ہیں۔ سب چوروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارا سردار بس تو ہی ہے۔ کیونکہ مصیبت کے دن تیرے باعث ہم کو چھٹکارا نصیب ہو گا۔

اس کے بعد سب مل کر باہر نکلے اور سلطان کے محل کے پاس پہنچے۔ جب دائیں طرف کتا بھونکا تو پہلے چور نے کہا کہ بھائیو! یہ تو کہتا ہے کہ کوئی بادشاہ تمہارے آس پاس ہے۔ دوسرے چور نے مٹی سونگھ کر بتایا کہ اس کے قریب بادشاہی خزانہ ہے۔ پس کمند پھینکنے والے نے کمند پھینکی اور سب اس بلند دیوار کے دوسری طرف جا پہنچے، کوہل لگانے والے نے کوہل لگا کر سب کو خزانے کے اندر پہنچا دیا اور ہر ایک نے خزانے سے جو ہاتھ لگا وہ اٹھایا۔ اشرفیاں، زربفت کے تھان، موتی وغیرہ اٹھائے گئے اور ایک جگہ چھپا دیا۔ سلطان نے ان کی جائے پناہ اچھی طرح دیکھ لی اور ایک ایک کا حلیہ نام سب اچھی طرح معلوم کر لیا پھر اپنے کو سب کی نگاہوں سے چھپا کر واپس ہو گیا اور دوسرے دن چوری کا ماجرا بیان کیا۔ اب کیا تھا بڑے بڑے طاقتور، تلوار لیے سپاہی دوڑ پڑے اور ہر سپاہی نے ایک ایک چور کو گرفتار کر لیا۔ وہ چور ہتکڑیاں پڑے ہوئے دربار میں حاضر کیے گئے جو اپنی جان کے خوف سے کانپ رہے تھے۔ جب تختِ سلطانی کے آگے کھڑے کیے گئے تو سلطان تو خود ہی چاند کی طرح رات کو اُن کے ساتھ تھا۔ جو چور رات کے اندھیرے میں دیکھ کر دن کو پہچان لیتا، اُس نے بادشاہ کو تخت پر دیکھ کر ساتھیوں سے کہا کہ رات کی پھرائی میں یہ ہمارے ساتھ تھا۔ پس ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اے چھپواں گشت کرنے والے بادشاہ! اب وقت آ پہنچا کہ آپ از راہِ کرم اپنی ڈاڑھی ہلائیں۔ ہم میں سے ہر ایک تو اپنا کمال دکھا چکا اور ان کمالوں سے بدبختی اور مصیبت ہی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ہماری گردنیں بندھ گئیں۔ وہ سب ہنر و کمال کھجور کی بٹی ہوئی رسیاں تھے جو ہماری گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور موت کے دن اُن سے کوئی مدد نہیں پہنچتی ہاں اس موقع پر اگر کوئی کام آیا تو وہی شخص جس کی آنکھ بادشاہ کو پہچان گئی۔ محمود کو بھی رحم آ گیا اور اس کی ڈاڑھی کے اشارے سے اِن چوروں کی جان بچ گئی

اور انھیں معافی مل گئی۔

(۵۱) ایک بھیڑ کا حضرت کلیم اللہ سے ڈر کر بھاگنا

ایک بھیڑ حضرت کلیم اللہ سے ڈر کر بھاگی۔ آپ جو اس کے پیچھے دوڑے تو وہ اور بھاگی یہاں تک کہ تلاش اور تعاقب میں آپ کے جوتے ٹوٹ گئے اور پانو میں آبلے پڑ گئے۔ شام تک اس کو ڈھونڈتے رہے۔ آخر کار بھیڑ تھک کر سست کھڑی ہوگئی تو حضرتِ کلیم اللہ اس تک پہنچ گئے۔ پھر آپ نے اس کی گرد جھاڑی۔ آپ اس کے سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور ماں کی طرح محبّت سے پیش آرہے تھے۔ آپ میں ذرّہ برابر بھی غصہ نہ تھا۔ بلکہ اس بھیڑ کی تکان پر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس سے کہنے لگے یہ مانا کہ تجھے مجھ پر رحم نہ آیا مگر یہ بتا کہ تونے اپنے پر یہ تکلیف کیوں گوارا کی؟ اس وقت خدا نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو، یہی شخص ہماری نبوّت کے لائق ہے۔ خود حضرت مصطفیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی خواہ جوان ہو خواہ بچّہ اس کا گلّہ بانی کرنا ضروری ہے۔ ان میں صبر و وقار پیدا کرنے کے لیے خدائے تعالیٰ نبوّت سے پہلے ان کو گلّہ بان بناتا ہے۔

(۵۲) ایک امیر کا گھوڑا خوارزم شاہ کو پسند آنا اور عماد الملک کی تدبیر

ایک امیر کے پاس ایسا خوبصورت گھوڑا تھا کہ خوارزم شاہ کے گلّے میں بھی

اس کا ثانی نہ تھا۔ ایک روز وہ امیر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اتفاقاً خوارزم شاہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس کی دوڑ اور رنگ بادشاہ کی آنکھوں میں کھُب گیا اور واپسی تک اسی گھوڑے پر ٹکٹکی لگی رہی۔ گھوڑے کے جس جوڑ بند پر نظر پڑتی تھی ایک سے ایک بہتر نظر آتا تھا چُستی، بشّاشی اور اٹھلا کر قدم مارنے کے علاوہ خدا نے اور نادر صفتیں بھی اس میں رکھی تھیں۔ بادشاہ نے غور کیا کہ کیا بات ہے جو اسی گھوڑے کی خوبی اور کشش میری عقل کو متحیر کر رہی ہے۔ میں گھوڑوں سے سیر چشم اور بے پرواہوں اور میرے پاس ایسے ایسے دو سو سورجوں کی روشنی موجود ہے۔ ارے میں تو وہ ہوں کہ بادشاہوں کا چہرہ بھی مجھے پیادے کا چہرہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ معمولی جانور کیوں میری نیّت بگاڑے دیتا ہے۔ لیکن اس کے سینے میں شوق بڑھتا ہی چلا گیا۔ جب بادشاہ سیر سے واپس ہوّا تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ گھوڑا امیر کے گھر سے لے آئیں۔ وہ جماعت آگ کی طرح جا دھنسی اور وہ امیر جو پہاڑ کی طرح وقار رکھتا تھا ایک گھاس کا تنکا بن گیا۔ رنج اور بے عزّتی کے غم سے اس کی جان لبوں پر آگئی۔ اب اس کو عماد الملک کے سوا کوئی پناہ نظر نہ آئی کیونکہ عماد الملک ہر مظلوم اور غمزدہ کا رفیق تھا۔ دربار میں کوئی امیر اس سے زیادہ باعزت نہ تھا اور بادشاہ اس کا نہایت ادب کرتا تھا۔ وہ بے طمع، شریف النسب اور پارسا، عبادت گزار، راتوں کو جاگنے والا اور سخاوت میں حاتمِ وقت تھا۔ صاحبِ تدبیر اور نیک دل تھا۔ اس کی رائے ہر معاملے میں آزمائی جا چکی تھی۔ وہ ہر محتاج کے لیے مثل باپ کے تھا اور سلطان کے پاس ہر ایک کا سفارشی تھا۔ وہ بُروں کے لیے حلمِ خدا کی طرح پردہ پوش تھا۔ اس کے اخلاق و عادات دوسروں سے جدا تھے۔ کئی بار پہاڑ پر اکیلا جا بیٹھا۔ اور بادشاہ بڑی خوشامد درآمد سے واپس لایا۔

غرض وہ امیر سخت پریشانی میں عماد الملک کے پاس پہنچا اور کہا کہ چاہیے

میرا سارا مال و متاع بادشاہ لے لے مگر وہ ایک گھوڑا جس پر میری جان فدا ہی اگر وہ مجھ سے چھین لیا گیا تو یقیناً میں مرجاؤں گا۔ چونکہ خدا نے اب آپ سے مجھے وابستہ کر دیا ہی لہٰذا ای مسیحا! ذرا آپ میرے سر پر ہاتھ رکھیے۔ عماد الملک یہ حال سُن کر روتا اور آنکھیں ملتا بُرے حال احوال سلطان کے حضور میں پہنچا اور چپکا منہ بند کیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور یہ دُعا کر رہا تھا کہ ای خدا اگر بادشاہ ٹیڑھا راستہ اختیار کرے تو سوائے تیرے کون بچا سکتا ہی۔ وہ اسی طرح دل میں دعائیں کرتا طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا تھا کہ بادشاہ کے آگے سپاہی گھوڑے کو کھینچ کر لائے۔ سچ یہ ہی کہ آسمان کے نیچے ایسے قد اور قدم کا کوئی گھوڑا نہ تھا اس کا رنگ ہر آنکھ میں کھب جاتا تھا۔ جب بادشاہ تھوڑی دیر تک اس کو دیکھ دیکھ کر حیرت کرتا رہا تو اس کے بعد عماد الملک کی طرف مخاطب ہُوا اور کہا کہ بھائی! یہ بھی کیا گھوڑا ہی۔ یہ تو بہشت کا معلوم ہوتا ہی زمین کا نہیں ہی۔ تب عماد الملک نے عرض کی کہ ای بادشاہ اگر آپ شیطان پر التفات کریں تو فرشتہ ہو جائے اگرچہ یہ گھوڑا بہت خوب صورت اور بانکا جانور ہی مگر اس کا سر ایسے جسم پر بالکل بدنما ہی معلوم ہوتا ہی جیسے گائے کا سر لگا دیا ہی۔

اس بات نے خوارزم شاہ کے دل پر اثر کیا اور یکایک گھوڑا بادشاہ کی نظروں سے گر گیا۔ عماد الملک سے جو اس کی مذمت اور عیب سُنا تو بادشاہ کے دل میں اس گھوڑے کی محبّت پھیکی پڑ گئی۔ اپنی آنکھ چھوڑی اور اس کی آنکھ اختیار کی۔ اپنے ہوش ترک کیے اور اس کی بات مانی۔ یہ بہانہ تھا۔ بات یہ تھی کہ اس صاحب دیانت بزرگ نے اپنے عجز سے بادشاہ کے دل کو سرد کر دیا اور بادشاہ کی آنکھ پر ایسے نکتہ کا پردہ ڈالا کہ جس سے چاند بھی ہو تو سیاہ نظر آئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ فوراً گھوڑے کو واپس لے جاؤ اور اس ظلم صریح سے مجھے نجات دلاؤ۔

عماد الملک نے اس موقع پر جو چال کی وہ عین خیر و انصاف کے لیے کی۔ اس کو نیک انجام بہانہ کہتے ہیں لیکن تجھے چاہیے کہ بد اور نیک میں تمیز کرے۔

(۵۴) صدر جہاں کا ایسے سائل کو کچھ نہ دینا جو زبان سے مانگے

شہرِ بخارا میں صدرِ جہاں کی داد و دہش مشہور تھی۔ وہ بے حد و حساب دیتے تھے اور صبح سے شام تک ان کے دریائے فیض سے روپے اور اشرفیاں برستی رہتی تھیں۔ کاغذ کے پُرزوں میں اشرفیاں لپٹی رہتی تھیں۔ جب تک وہ ختم نہ ہو جائیں اس وقت تک برابر دیتے رہتے تھے۔ صدر جہاں کا حال سورج اور چاند کا سا تھا کہ جس قدر نور کی چمک ان کو حاصل ہوتی وہ سب دنیا پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ خاک کو زر بخشنے والا کون ہے۔ آفتاب ہی تو ہے، کان میں سونا اس سے دمکتا ہے اور خزانہ اگر کہیں گڑا ہؤا ہو تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ ہر روز کے لیے ایک جماعت مقرر تھی تا کہ کوئی گروہ محروم نہ رہے۔ ایک دِن مصیبت زدوں کے لیے دوسرا دن بیواؤں کے لیے تیسرا دن مفلس فقیروں اور گوشہ نشینوں کے لیے چوتھا دن محتاج مُلّاؤں کے لیے پانچواں دن عام مسکینوں کے لیے چھٹا دن قرض داروں کے لیے ساتواں دن یتیم بچّوں کے لیے آٹھواں دِن قیدیوں کے لیے، نواں دن مسافروں کے لیے، دسواں دن غلاموں کے لیے، مگر شرط یہی تھی کہ کوئی شخص زبان سے کچھ نہ مانگے۔ بلکہ مفلس چپ چاپ اُس کے راستے میں صف باندھے دیوار کی طرح کھڑے رہیں۔ جو کوئی اتفاقاً کوئی سوال کر دیتا تو اِس جرم میں اُس کو کچھ نہ دیتے تھے یہاں تک کہ ایک دن ایک بڈھے نے کہا کہ بھوکا ہوں کچھ زکوٰۃ دے۔ لوگوں نے ہر چند اُس کو مانگنے سے

منع کیا لیکن وہ اڑ گیا ۔صدرِ جہاں نے کہا کہ تو بڑا بے شرم بڈھا ہے۔ اس بڈھے نے جواب دیا کہ مجھ سے زیادہ بے شرم تو ہے کہ اس جہان کو خوب کھا گیا اور لالچ کر رہا ہے کہ اِس جہان کی نعمتوں کے ساتھ دوسرے جہان کی نعمتوں کو بھی حاصل کرے ۔صدرِ جہاں کو بہت ہنسی آئی ۔ اس بڈھے کو بہت دولت دی اور وہ اکیلا لے گیا ۔اس بڈھے کے سوا اور کسی سوال کرنے والے کو کبھی کچھ نہ دیا ؛

اب سُنیے کہ مُلّاؤں کی باری کے دن اتفاقاً ایک مُلّا مارے حرص کے چلّا اُٹھا ۔ لہٰذا اُسے کچھ نہ ملا ۔ وہ ہر چند رویا دھویا کوئی فائدہ نہ ہوا ۔طرح طرح سے سوال کیے ۔ مگر صدرِ جہاں کا دل نہ پسیجا ۔ دوسرے دن وہی شخص پانو کو پٹیاں لپیٹ کر بیماروں کی صف میں انجان جا بیٹھا ۔ اُس نے پنڈلیوں پر چاروں طرف کھپچیاں باندھ لیں تا کہ گمان ہو کہ اُس کے پیر ٹوٹ گئے ہیں مگر صدرِ جہاں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور کچھ نہ دیا ۔تیسرے دن ایک لبادے میں منہ لپیٹا اور اندھا بن کر اندھوں کی صف میں جا کھڑا ہوا ۔جب بھی صدرِ جہاں نے پہچان لیا اور سوال کرنے کے جُرم میں کچھ نہ دیا ۔جب ساری مکّاریاں کر کے عاجز آ گیا تو عورتوں کی طرح ایک چادر سر پر اوڑھی اور بیواؤں کے بیچ میں جا کر بیٹھ گیا ۔ سر جھکا لیا اور ہاتھ چھپا لیے ۔ جب بھی صدرِ جہاں نے اُسے پہچان کر کچھ نہ دیا ۔ اس سے اُس کے دل میں غم کی آگ بھڑک اٹھی وہ کفن چور کے پاس سویرے ہی پہنچا اور فرمائش کی کہ مجھے ایک نمدے میں لپیٹ کر راستے کے کنارے جنازہ بنا کر رکھ دو ۔ کسی سے کچھ نہ کہو ۔ راہ تکتے ہوئے بیٹھے رہو ۔ یہاں تک کہ صدرِ جہاں ادھر سے گزریں ۔ ممکن ہے کہ وہ دیکھیں اور مردہ گمان کر کے تجہیز و تکفین کے لیے کچھ اشرفیاں تابوت میں ڈال دیں جو کچھ ملے گا اس میں آدھا تجھیں دوں گا ۔ اس کفن چور فقیر نے ایسا ہی کیا کہ اُس کو ایک نمدے میں لپیٹ کر راستے

میں رکھ دیا۔ حسب معمول صدر جہاں ادھر سے گزرے تو انھوں نے چند اشرفیاں اس نمدے پر ڈال دیں۔ مُلّا نے گھبرا کر فوراً ہاتھ باہر نکالے کہ کہیں وہ کفن چور نہ اٹھالے اور خود ہی نہ اینٹھ لے۔ اس مردے نے نمدے سے دونوں ہاتھ باہر نکالے اور ساتھ ہی سر بھی باہر نکالا اور صدرِ جہاں سے مخاطب ہو کر کہا، اے دروازۂ کرم بند کرنے والے، دیکھا! آخر مَرے کر ہی چھوڑا۔ صدر جہاں نے جواب دیا کہ ارے مردُود جب تک تُو نہ مرا ہماری سرکار سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکا۔

(۵۴) ایک بادشاہ کا مُلّا کو شراب پلانا

ایک بادشاہ رنگ رلیوں میں مصروف تھا کہ ایک مُلّا اس کے دروازے پر سے گزرا۔ حکم دیا کہ اس کو محفل میں کھینچ کر لاؤ اور زبردستی شراب پلاؤ۔ پس لوگ جبراً اس کو محفل میں کھینچ لائے۔ اور وہ آکر سانپ کے زہر کی طرح بالکل تُرش رُو ہو بیٹھا۔ شراب پیش کی تو اس نے قبول نہ کی۔ اور بادشاہ اور ساقی دونوں سے آنکھ پھیر لی اور بگڑ کر کہا کہ میں نے عمر بھر کبھی شراب نہیں پی۔ اس شراب پینے سے تو زہر پینا بہتر ہے، بجائے شراب کے مجھے زہر لادو۔ بادشاہ نے ساقی سے کہا کہ اے نیک قدم دیکھتا کیا ہے۔ ذرا اس کو بے تکلف تو کر۔ عقل پر بھی ایک پوشیدہ حاکم ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی حکمت سے آپے سے باہر کر دیتا ہے۔ ساقی نے مُلّا کے چند چانٹے لگائے اور کہا کہ خیر اسی میں ہے کہ شراب پیو! چانٹوں کے خوف سے وہ مصیبت زدہ فوراً شراب پی گیا اب کیا تھا وہ مست و بے خود ہو کر ایسا خوش اور باغ کی طرح کھِل گیا کہ بادشاہ کی مصاحبت اور مسخراپن کرنے لگا۔ اسی حال میں پیشاب کے لیے گیا۔ شاہی بیت الخلا پر بھی ایک خوب صورت لونڈی مامور تھی۔ مُلّا نے جو اُسے دیکھا تو شراب کے نشے میں اور

بھی آپے سے باہر ہوگیا اور لگا اس لونڈی سے خر مستیاں کرنے ۔ اُس نے غل مچایا
اور اُدھر مُلاّ کو واپس آنے میں دیر ہوئی تو بادشاہ خود اُدھر گیا اور یہ دیکھ کر کہ مُلاّ
شرم وحیا زہد و تقویٰ سب کو چھوڑ کر خود اُس کی کنیز سے دست درازی کر رہا ہے سخت
ناراض ہوا ۔ مُلاّ جلدی سے نکل کر پھر محفل میں آگیا اور فوراً شراب کا پیالہ ہاتھ میں
لے لیا ۔ بادشاہ دوزخ کی طرح آتشِ غضب و انتقام سے بھڑکنے لگا اور مُلاّ کے
خون کا پیاسا ہوگیا ۔ جب مُلاّ نے دیکھا کہ بادشاہ کا چہرہ مارے غصّے کے لال اور
جام زہر کی طرح تلخ ہوگیا ہے تو اُس نے ساقی کو للکارا کہ "ارے محفل گرم کرنے والے
بیٹھا کیا دیکھ رہا ہے اُٹھ اور ذرا اس کو بے تکلّف تو کر دے !" بادشاہ ہنس پڑا اور
کہا کہ اے شخص ! میں تو بے تکلّف ہوں ، جا وہ چھوکری تجھے بخش دی ؛

---

(۵۵) ایک شخص کا خواب دیکھ کر خزانے کی اُمید پر مِصر کو جانا

ایک شخص کو وراثت میں مالِ کثیر ہاتھ آیا ۔ وہ سب کھا گیا اور خود ننگا رہ گیا
سچ ہے کہ میراث کا مال نہیں رہا کرتا ۔ جس طرح دوسرے سے الگ ہوا اسی طرح یہاں
بھی جُدا ہو جاتا ہے ۔ میراث پانے والے کو بھی ایسے مال کی قدر نہیں ہوتی جو بے محنت
اور تکلیف ہاتھ آ جاتا ہے ۔ اے شخص تجھے بھی جان کی قدر اسی لیے نہیں ہے کہ حق نے
تجھے مفت بخشی ہے ۔ الغرض اس شخص کا نقد و جنس اور جائداد سب قبضے سے نکل گئی ۔
اور اُلّوؤں کی طرح ویرانے میں رہنے لگا ۔ اُس نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ تو نے
مجھے سرو سامان دیا تھا وہ جاتا رہا لہٰذا یا تو اب مجھے سرو سامانِ زندگی عنایت کر یا

موت بھیج دے۔ اِس دُعا اور گڑگڑاہٹ میں اُس نے دونوں ہاتھ پیٹے۔ اُس زر پرست کو بے محنت زر کی طلب تھی لیکن وہ کون ہے جو خدا کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اُس کی قبولیت میں سو بہاریں نہ پائے۔ اُس نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے شہر مصر میں دولت ملے گی تو مصر کو جا، وہاں تیرا کام بن جائے گا۔ خدا نے تیری گریہ و زاری کو قبول کیا فلاں گانو میں ایک بڑا خزانہ ہے۔ اس کی تلاش میں تجھے مصر جانا ہوگا۔ فلاں بستی کے فلاں کوچے میں ایک نادر خزانہ دفن ہے۔ تو بغداد سے ہوتا ہوا فوراً مصر کو جا اور اسے حاصل کر۔

یہ خوش خبری سن کر کمرِ ہمت چُست ہوگئی اور اسی اُمید پر کہ فرشتے نے خزانہ بتایا ہے وہ شخص بغداد سے منزلیں طے کرتا ہوا مصر پہنچا لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اُس کے پاس پیسہ ٹکا کچھ نہ رہا اور ظالم پیٹ نے مجبور کیا کہ کسی سے سوال کرے۔ ہر چند شرم دامن پکڑتی تھی مگر بھوک نے بے حواس کر ڈالا تھا اپنے جی میں کہا بہتر ہے کہ رات کے وقت چھپتا چھپاتا باہر نکلوں تاکہ اندھیرے میں بھیک مانگنے سے شرم نہ آئے۔ میں نعرہ لگانے والے فقیر کی طرح دور سے صدا دوں تاکہ کوٹھوں پر سے پیسہ دھیلی مل جائے۔ اِسی سوچ میں باہر نکلا اور چاروں طرف ہچکچاتا ہوا پھرنے لگا۔ کبھی شرم اور اپنی قدیم عادت مانع آتی تھی اور کبھی بھوک دستِ سوال بڑھانے پر مجبور کرتی تھی۔ ایک پہر رات تک یہی حالت رہی۔ کبھی قدم آگے بڑھاتا اور کبھی پیچھے ہٹا لیتا اور اپنے دل سے سوال کرتا کہ اب سوال کردوں یا بھوکا پیاسا سو جاؤں۔ اتفاق سے اس زمانے میں اہلِ شہر چوروں سے سخت پریشان اور تکلیف زدہ تھے۔ راتیں اندھیری اور کوتوال شہر چوروں کی بڑی جستجو میں تھا یہاں تک کہ خلیفہ نے بھی حکم دے دیا تھا کہ جو شخص راتوں کو گشت لگاتا نظر آئے اگر میرا عزیز بھی ہو تو بھی اُس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ اہلِ دربار نے بھی کوتوال پر

طعنہ کیا تھا کہ تمہاری کوتوالی میں چور اس قدر زیادہ کیوں ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے عتاب کیا تھا کہ اِن بدمعاشوں کو گرفتار کرو ورنہ سب کی سزا تم کو ملے گی تاکہ اہلِ شہر اس آئے دن کی مصیبت سے نجات پائیں۔

غرض کوتوال تو غضب ناک تھا ہی اس شخص کو جو رات میں اس طرح دبکتے اور چکّر لگاتے دیکھا تو پکڑ کر خوب پیٹا کہ بتا تو کون ہے۔ اس فقیر مسافر نے بے اختیار چیخنا چلّانا شروع کیا اور کہا کہ للہ مجھے نہ مارو جو اصل حقیقت ہے وہ میں بیان کرتا ہوں۔ کوتوال نے ہاتھ روک کر کہا کہ اچھا تو بتا کہ تو اتنی رات کو باہر کیوں نکلا تھا۔ تو یہاں کا رہنے والا نہیں ہے۔ تو کہیں دُور کا رہنے والا بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بڑی کئی قسمیں کھا کر کہا کہ نہ میں چور ہوں نہ جیب کترا، نہ میں اُٹھائی گیرا ہوں نہ خونی، میں تو اِس شہر میں بہ حیثیت مسافر کے آیا ہوں اور بغداد کا رہنے والا ہوں۔ پھر اپنے خواب اور اس خزانے کا واقعہ بیان کر دیا اور کوتوال کو بھی اس کی بات سچ معلوم ہوئی۔ اس کے قسمیں کھانے سے سچائی کی خوشبو آئی۔ کوتوال نے کہا کہ بے شک تو نہ چور ہے نہ راہ زن بلکہ محض ایک خیال پر حرص و نادانی سے تو نے اتنا دُور دراز سفر اختیار کیا اب یہ سُن کر کہ تجھے تو بغداد میں مصر کا خزانہ نظر آیا اور میں نے اسی مصر میں کئی بار یہ خواب دیکھا کہ بغداد میں ایک پوشیدہ خزانہ ہے اور فلاں موضع اور فلاں کوچے میں دفینہ ہے اور کوچے اور مکان کا نام اسی خزانے کے نام پر ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی بتایا گیا کہ مکان کے فلاں حصّے میں دبا ہے جا اور نکال لے۔ اے عزیز میں نے اپنے جی میں کہا کہ خزانہ تو خود میرے گھر میں ہے مجھے وہاں جانے کی کیا محتاجی ہے میں اپنے خزانے پر بیٹھا ہوا ہوں اور محتاجی کے مارے مرا جاتا ہوں کیونکہ اپنے خزانے سے غافل اور خود چھپا ہوا ہوں۔

مسافر فقیر نے جو یہ خوش خبری سُنی تو بے خود ہو گیا۔ اِس کا سارا درد جاتا رہا اور اپنے جی میں کہا اس قدر لاتیں کھانے پر نعمت کا ملنا موقوف تھا۔ میری دُکان میں تو خود آبِ حیوان موجود تھا۔ پھر کوتوال سے کہا الحمد للہ عجیب و غریب دولت ہاتھ آئی وہ سب میرے وہم کا اندھاپن تھا کہ میں اپنے کو مفلس سمجھتا تھا۔ مگر چاہے تم مجھے احمق کہو چاہے عقلمند جو کچھ میرا دِل چاہتا تھا وہ میں نے یہیں پایا۔

پھر وہ مصر سے بغداد کو سجود و رکوع کرتا اور حمد و ثنا پڑھتا واپس ہوا۔ وہ سارے راستے حیران اور اس تعجب سے بے خود رہا کہ دیکھو ہماری طلب کا راستہ کیا تھا اور روزی یہیں کیا ملی۔ مجھے اُمیدوار کدھر کا بنایا تھا اور عنایت و انعام کدھر سے عطا ہوا۔ اس میں کیا حکمت تھی کہ اس کانِ مراد نے مجھے اپنے گھر سے خوشی خوشی غلط راستے پر نکلوایا۔ میں جلدی جلدی گمراہی کی طرف دوڑ رہا تھا اور ہر آن مقصدِ حقیقی سے جُدا ہو رہا تھا۔ پھر اسی گمراہی کو خدا نے اپنے عین کرم سے ہدایت اور مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ بنا دیا۔

---

(۵۶) مسخرے کی بیوی کا قاضی کو فریب دے کر اپنے گھر لے جانا

ایک مسخرہ اپنی مفلسی کو دیکھ کر بیوی سے مخاطب ہوتا اور کہتا کہ جب تمہارے پاس ہتھیار موجود ہیں تو جاؤ شکار کر دو تاکہ ہم تمہارے شکار کے تھنوں سے دُودھ دوہیں۔ آخر اُس کی بیوی قاضی کے پاس یہ شکایت لے کر گئی کہ میں اس بدنیت شوہر سے بیزار ہوں۔ قاضی نے کہا کہ اس وقت ہمارے محکمے میں بھیڑ بہت ہے، اس شکایت

کی سماعت کے لیے فرصت نہیں ۔ اگر تو میرے مکان پر آئے تو میں اچھی طرح تیری شکایت سنوں گا اور اگر انصاف تیری طرف ہوگا تو اسے سزا دوں گا ۔ تو رنجیدہ مت ہو۔ جب مجھے تیرا حال اچھی طرح معلوم ہو جائے گا تو تیرے شوہر کو خوب نرم کروں گا۔ عورت نے کہا کہ آپ کے گھر میں تو بُرے بھلے سب قسم کے لوگ اپنے اپنے قضیے لے کر آتے رہتے ہیں ۔ اگر تکلیف نہ ہو تو کسی وقت میرے مکان پر تشریف لے آئیے ۔عورت کے مکر کی انتہا نہیں ۔ وہ قاضی بھی ریجھ گیا اور شام کو اُس کے مکان پر پہنچا۔ عورت نے دو شمعیں روشن کیں اور مزیدار باتیں شروع کیں ۔ قاضی اِس نوازش سے اور بھی کھِل پڑا ۔ مکان بھی خالی تھا اور وہ خوش خوش عورت کے پہلو میں ہو بیٹھا اور اس نزدیکی سے اُس کی جان خوش ہونے لگی ۔عین اس وقت مسخرے نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا فوراً قاضی گھبرا کر اٹھا تاکہ وہاں سے کھسک جائے ۔عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اگر اس بدبخت حاسد نے آپ کو یہاں سے جاتے دیکھا تو مجھ کو جان سے مار ڈالے گا اور آپ کو سخت رُسوا کرے گا چھپنے کی اور کوئی جگہ بھی نہ تھی ناچار عورت کے گھبرا دینے سے ایک بڑے سے خالی صندوق میں جا چھپا ۔ وہ مسخرہ گھر میں آیا اور کہنے لگا، اری او حرّافہ! تو بہار و خزاں دونوں موسموں میں مجھ پر وبالِ جان ہے ۔ میرے پاس کونسی چیز ہے جو تجھ پر قربان نہیں کی پھر بھی تو ہمیشہ شکایت کر کے میرے گناہ سمیٹتی رہتی ہے ۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا ہے کہ تو قاضی کے پاس گئی تھی اور بہت سی جھوٹی شکایتیں کیں ۔ مجھ بے گناہ پر تو نے زبان درازی کی حد کردی ہے ۔کبھی تو مجھے مفلس بتاتی ہے اور کبھی دیّوث کہتی ہے ۔ اگر یہ عیب مجھ میں ہیں تو ایک خدا کی طرف سے ہے اور ایک تیری طرف سے ہے ۔سوائے اس صندوق کے میرے پاس اب کیا رکھا ہے ۔ مگر لوگ جانتے ہیں کہ میں دولتمند ہوں اور اسی گمان کی بنا پر مجھ سے اپنا قرض طلب کرتے ہیں ۔ اگرچہ صندوق ظاہر میں بہت خوبصورت ہے لیکن سامان اور سونے چاندی سے بالکل خالی ہے لہٰذا کل اس صندوق کو

بازار میں لے جاؤں گا اور عین چوراہے پر اُس کو جلادوں گا تاکہ ہر مسلمان، عیسائی اور یہودی دیکھ لے کہ اس صندوق میں سوائے لعنت کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ عورت نے کہا، ہائیں میاں خدا کے لیے ایسا نہ کرنا یہ کیا دیوانگی ہے۔ مسخرے نے قسم کھائی کہ میں تو ایسا ہی کروں گا۔ فوراً ایک رسی لے کر صندوق کو باندھ دیا اور خود انجان ہو گیا۔ صبح سویرے ایک مزدور کو لایا اور فوراً وہ صندوق اُس کی پیٹھ پر لاد دیا۔ قاضی مارے تکلیف اور خوف کے حمّال کو پکارنے لگا۔ اس حمّال نے ہر طرف دیکھا کہ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے۔ یہ بُلانے والا کوئی فرشتہ ہے یا کوئی پری کہ چھپ کر آواز دے رہی ہے جب یہی آواز بار بار آئی اور بڑھتی گئی تو آخر کار پہچانا کہ یہ آواز اور آہ وزاری اس صندوق کے اندر سے آرہی تھی، ہو نہ ہو اس میں کوئی پوشیدہ ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کی تو انتہا نہیں قاضی نے کہا کہ اے صندوق لے جانے والے خدا کے لیے محکمۂ قضات میں میری خبر کر اور میرے نائب کو فوراً یہاں بُلا تاکہ اِس صندوق کو اشرفیاں دے کر خرید لے اور صندوق کو جوں کا توں ہمارے گھر پہنچائے۔ حمّال نے ایک راہ گیر سے کہا کہ محکمۂ قضات کو جاؤ اور نائب قاضی سے یہ واقعہ بیان کرو اور کہہ دو کہ قاضی کی ڈونڈی اب پٹنے والی ہے۔ اپنے کام کو چھوڑ کر فوراً یہاں آؤ اور مسخرے سے اِس صندوق کو بند کا بند خرید لو۔ راہ گیر گیا اور پیغام پہنچا دیا۔ اُدھر مسخرے نے آگ سلگائی کہ اب صندوق کو جلا ڈالوں گا سرِ بازار عوام الناس میں ایک جوش و خروش پھیل گیا کہ کیا بات ہے کہ مسخرے نے یہ ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ نائب قاضی آیا اور پوچھا کہ صندوق کی کیا قیمت ہے اُس نے کہا کہ نو سو سے زیادہ اشرفیاں دیتے ہیں میں ہزار سے نیچے نہیں اُتروں گا۔ اگر منظور ہے تو لاؤ تھیلی کا منہ کھولو۔ نائب نے کہا کہ اے شرم کر بھلا دیکھتے بھالتے اتنی بڑی رقم پر اس کو کون خرید تا ہے۔ مسخرے نے کہا کہ بے دیکھے خریدنا ناجائز، ہماری فروخت چادر میں چھپی ہوئی ٹھیک نہیں۔ میں اسے کھول کر دکھاتا ہوں۔ اگر پسند نہ آئے تو نہ خریدو کہیں

ایسا نہ ہو کہ خریدنے کے بعد افسوس کرو۔ نائب نے کہا نہیں نہیں بس جانے دو میں اِس کو بند ہی خرید لوں گا، تو میری بات مان، اشرفیوں کی کمی بیشی پر تکرار تو بہت ہوئی۔ مگر بہر حال نائب نے ہزار اشرفیاں دیں اور صندوق خرید لیا۔

ایک برس کے بعد مسخرہ پھر مفلس ہوا، بیوی سے کہا ہوشیار عورت! وہی چال پھر چل اور قاضی کے پاس جاکر میری شکایت کر؛ اب کے وہ عورت دوسری عورتوں کے ساتھ قاضی کے پاس پہنچی اور ایک دوسری عورت کو بیچ میں ڈال دیا تاکہ کہیں اس کی آواز قاضی پہچان نہ لے اور اس کو اپنی گزشتہ مصیبت یاد نہ آجائے۔ عورتوں کا ناز و غمزہ تو فتنہ ہی لیکن عورت کی آواز سے وہ فتنہ سوگنا ہو جاتا ہی۔ اگر عورت آواز نہ نکال سکتی تو عورت کے پوشیدہ غمزے بے اثر رہتے قاضی نے شکایت سُن کر کہا کہ جا اپنے شوہر کو بُلا لا تاکہ تیری شکایت اُس کے رُوبرُو سماعت کروں۔ اب مسخرہ جو آیا تو فوراً قاضی نے پہچان لیا کیونکہ صندوق کے اندر سے اُس کی آواز بھی سن چکا تھا جو صندوق کی خرید و فروخت اور کمی بیشی کے متعلق ہو رہی تھی۔ قاضی نے پوچھا کہ اپنی عورت کا نفقہ کیوں نہیں دیتا۔ مسخرے نے کہا کہ احکام شرع کا جان سے غلام ہوں، لیکن اگر میں مر جاؤں تو کفن کو بھی پاس نہیں اس عورت کے چھکّے پنجوں سے مفلس ہو گیا ہوں۔ اس بات سے قاضی اس کو اچھی طرح پہچان گیا اور اس کو اُس کا مکر و فریب یاد آگیا۔ قاضی نے کہا کہ وہ چھکّے پنجے تو میرے ساتھ تو پہلے کھیل چکا ہی جا اب کہیں اور جاکر داؤں لگا؛

---

(۵۰) حق تعالیٰ کا عزرائیل سے خطاب کہ تجھے کس پر رحم آیا

حق تعالیٰ نے عزرائیل سے پوچھا کہ اے ہماری سُنائی پہنچانے والے! سب مرنے والوں میں تجھے کس پر رحم آیا۔ عزرائیل نے عرض کی کہ سب پر میرا دل دُکھتا ہے لیکن حکم سے سرتابی نہیں ہوسکتی، ورنہ میں تو عرض کرتا کہ جوانوں کے عوض خدا مجھے قربان کردے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس پر سب سے زیادہ رحم آیا اور کس کی مَوت پر تیرا دل زیادہ دردمند ہوُا۔ عزرائیل نے عرض کی کہ ایک دِن ایک کشتی کو جو تیز موج پر بہہ رہی تھی میں نے تیرے حکم سے توڑ دیا اور وہ ریزہ ریزہ ہوگئی اس کے بعد تو نے حکم دیا کہ اِن سب کی جان قبض کر اور صرف ایک عورت اور ایک بچّے کو چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ موجیں اس تختے کو آگے بڑھاتی رہیں۔ جب ہوا نے اِس تختے کو کنارے لگا دیا تو اِن دونوں کے بچ جانے سے میرا دل بہت خوش ہوُا۔ پھر تو نے فرمایا کہ ماں کی رُوح قبض کر اور بچے کو تنہا چھوڑ دے جب میں نے اس بچّے کو ماں سے جُدا کیا ہے تو خود تو ہی جانتا ہے کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی اِس کے بعد میں نے کتنے سخت غم و ماتم دیکھے لیکن اس بچّے کی تنہائی کا غم میں کبھی نہ بھوُل سکا۔ خدا نے فرمایا کہ میں نے اپنے فضل سے موج کو حکم دیا کہ اسے ایک گھنے جنگل میں ڈال دے۔ اِس جنگل میں نہایت شفاف میٹھے پانی کے چشمے بہتے تھے۔ اسی جگہ میں نے اس بچّے کو پرورش کیا۔ میں نے وہاں لاکھوں خوشنوا پرندے بھیجے جو ہر وقت چہچہاتے اور نئے نئے راگ الاپتے رہتے تھے۔ میں نے چنبیلی کے پتوں میں اس کا بستر بنایا اور اس کو ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ کر دیا۔ میں نے

آفتاب کو حکم دیا کہ اپنی چلچلاتی دھوپ سے اُسے نہ کاٹ اور ہوا کو فرمان دیا کہ اس پر سے آہستہ سے گزرے، بادل کو حکم دیا کہ اس پر مینہ نہ برسا اور بجلی کو تہدید کی کہ اِس کو اپنی تیزی نہ دکھا۔ ایک مادہ بھیڑیے نے اُسی وقت بچے دیے تھے۔ میں نے اس کو حکم دیا کہ تو اس بچے کو بھی دودھ پلا۔ چنانچہ اُس نے دودھ پلایا اور اس کی دیکھ ریکھ بھی کی یہاں تک کہ وہ جوان موٹا تازہ اور بہادر ہو گیا۔ اس کو باوجود یکہ ایسی نگرانی اور حفاظت سے بلا امداد غیرے میں نے پرورش کیا اور وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا تھا، لیکن آگے بڑھ کر وہی نمرود نکلا۔ اور اُس نے میرے خلیل کو آگ میں جھونکا۔ اب وہ کافر ہو کر لوگوں کو میری راہ سے پھیرتا ہے اور غرور اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے؛

تمت

۞ ۞ ۞

۞ ۞

۞